

سلسلہ اشاعت نمبر ۶

قصائد اہل بیت

از

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ

ترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

ناشر

شعبہ نشر: ۳۰ الجلیحہ، محلہ کلاں، نور آباد
اشاعت فلک نیٹرز، معبر پیر، فتح گڑھ

سیالکوٹ فون ۵۵۷۳۲۷

سلسلہ اشاعت نمبر ۱۶

عقائد اہل سنت

از

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ

حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

شعبہ نشر و اشاعت

مدینة العلم جامعہ مجددیہ

نورآباد۔ فتح گڑھ۔ سیالکوٹ

فون: ۵۵۷۳۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِهِ

وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ ط

ابتدائیہ

دینِ اسلام کے عظیم مبلغ اور سید المرسلین ﷺ کی سنت و شریعت کو زندہ کرنے والے مجددِ اعظم حضرت شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز کی تصنیفات قرآن و سنت کی بالکل صحیح ترجمان ہیں۔ علمائے اسلام آپ کی بزرگی و ولایت اور مجددیت کی شہادت صدیوں سے دے رہے ہیں۔ آپ کی تعلیمات روشنی کا مینار ہیں جس طرح آج سے چار سو سال پہلے ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے پاک و ہند کو نورِ حق سے منور کیا۔ اور کفر و گمراہی کا قلع قمع کر دیا۔ خدا کرے کہ اب بھی ہم ان پر عمل پیرا ہو کر اپنی منزلِ مقصود کو پالیں۔ آپ کے مکتوبات میں سے صرف دو خط شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں ان خطوں میں آپ نے عقائدِ اہل سنت مختصراً بیان فرمائے ہیں۔ چونکہ تمام اعمال کی بنیاد ایمان و عقائد ہیں لہذا اصلاحِ احوال کے لئے اسی موضوع سے آپ کی تعلیمات کو عام کرنے کی ابتدا کی جا رہی ہے۔ رب کریم قبول فرمائے اور ہم سب کو اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

حافظ محمد اشرف مجددی

سرپرست

۲۰ صفر المظفر ۱۴۲۰ھ

مدینۃ العلم جامعہ مجددیہ

نور آباد سیالکوٹ

مکتوب ۲۶۶

دوسرے وقت

حضرات پیر زادگان خواجہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ کی طرف صادر فرمایا۔ — بعض عقائد کلامیہ کے بیان میں جو اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیم کی آراء کے موافق اور جو آپ کو الہام اور فراست کی بنا پر حاصل ہوئے نہ کہ تقلید و تخبین (گمان) کے مطابق۔ ابتداءً احوال میں حضرت پیغمبر علیہ علی آلہ الصلوٰت والتسلیمات کی خواب میں زیارت ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ ”تم علم کلام کے مجتہدوں میں سے ہو۔ اور اس واقعہ کو آپ نے حضرت خواجہ (باقی باللہ) کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ اسی روز سے حضرت والا (مجدد الف ثانی) کی مسائل کلامیہ کے ہر مسئلہ میں علیحدہ رائے اور

ملہ آپ کے نام سات مکتوبات ہیں دفتر اول میں صرف یہی ایک مکتوب ہے جو دونوں بھائیوں کے نام ہے اور عقائد کے بیان میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ تالیف شہداء اللہ پانی پٹی نے ”مالا بد منہ“ میں اس مکتوب سے اقتباسات لئے ہیں اور شاہ غلام علی دہلوی فرماتے ہیں کہ ”یہ مکتوب علم عقائد میں فائدہ کثیر رکھتا ہے“ بقیچہ مکتوبات یہ ہیں دفتر دوم مکتوب ۲۳-۳۵-۵۹- دفتر سوم مکتوب ۵۶-۶۰-۶۱-۶۲- آپ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے چھوٹے صاحبزادے ہیں ۶۱ رجب ۱۰۱۰ھ کو اپنے بھائی خواجہ عبداللہ سے جو خواجہ باقی باللہ کی دوسری زوجہ سے تھے چار ماہ بعد پیدا ہوئے۔ حضرت مجدد صاحب جب حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے ان کو صاحبزادوں کو حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں لائے اور فرمایا کہ ان پر توجہ کرو۔ حضرت خواجہ باقی باللہ کے وصال کے بعد خواجہ حسام الدین احمد نے دونوں صاحبزادوں کی تربیت فرمائی بعد ازاں خواجہ عبداللہ حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واردات کثیرہ سے بہرہ ور ہو کر خلافت پائی۔ خواجہ عبداللہ حافظ قرآن و شکر شاعر اور صاحب تصانیف تھے حضرت شاہ ولی اللہ کے والد آپ سے بیعت تھے۔ بروز ۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۰۴۳ھ کو وفات پائی اور اپنے والد کے قریب اسی قبرستان میں دفن ہوئے۔

زیہ عاجز اپنی کوتاہیاں کیا عرض کرے اور اپنی شرمندگیوں کا کیا اظہار کرے۔ لیکن معارف آگاہ
خواجہ حسام الدین احمد کو حضرت حق سبحانہ ہماری طرف سے جزلے خیر دے کہ انھوں نے ہم کم سمیتوں کا
بوجھ اپنے اوپر اٹھانے کا التزام کر کے خدام بارگاہ کی خدمت کے لئے اپنی کمر سمیت کو یاد دہلیا اور
ہم دور پڑے ہوؤں کو اس سے فارغ کر دیا ہے

گر برتن من زباں شور مہر مویے یک شکر وے از ہزار نتوانم کرد
دہر بال بھی گر زباں ہو اک شکر بھی کیا بیاں ہو

یہ فقیر تین مرتبہ حضرت ایشاں (خواجہ باقی بانسہ) کی قوم بوسی کی دولت سے مشرف ہوا،
آخری مرتبہ (کی حاضری پر) فقیر سے ارشاد فرمایا کہ مجھ پر بدن کا ضعف غالب آگیا ہے زندگی کی امید
کم ہے، بچوں کے احوال سے خبر دار رہنا ہوگا۔ اور اپنے حضور میں آپ (دونوں) کو طلب
فرمایا اس وقت آپ دودھ پلانے والیوں کی گود میں تھے۔ اور فقیر کو حکم دیا کہ ان (بچوں) پر توجہ کرو۔
حسب الامران ہی کے حضور میں اس فقیر نے آپ (دونوں) کی طرف توجہ کی، یہاں تک کہ اس توجہ کا اثر
ظاہر میں بھی نمایاں ہوا۔ بعد ازاں فرمایا کہ ان بچوں کی والدوں پر بھی غائبانہ توجہ کرو، حسب الحکم
ان پر بھی غائبانہ توجہ کی گئی امید ہے کہ حضرت ایشاں (خواجہ صاحب) کی برکت سے اس توجہ کے
تسلیج و ثمرات حاصل ہوں گے۔ آپ ہرگز یہ تصور نہ کریں کہ ان کے واجب الطاعت
حکم اور وصیت لازمہ سے (کسی قسم کی) غفلت اور فراموشی واقع ہوئی ہے، ہرگز نہیں۔ بلکہ (یعنی)
آپ کی طرف سے اشارہ اور اجازت کا منتظر ہے۔

فی الحال چند فقرے بطریق نصیحت لکھے جاتے ہیں، امید ہے کہ گوش ہوش سے سماعت
فرمائیں گے، اَسْعَدَکُمُ اللّٰهُ سُبْحٰنَہٗ وَّعِزَّتہٗ اَشْرَفَہٗ اَیُّکُمْ اَسْعَدَہُ اللّٰہُ

عقل مندوں پر سب سے اول فرض یہ ہے کہ علمائے اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سبحانہ جو
فرقہ ناجیہ ہیں ان کی صحیح رائے کے مطابق اپنے عقائد کو درست کریں۔ چنانچہ بعض مسائل اعتقادہ جن
میں قدرے پوشیدگی ہے ان کا اظہار کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے: جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات مقدس کے ساتھ خود موجود ہے، اور تمام
اشیا، اس تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یگانہ ہے

حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یگانہ ہے

اور فی الحقیقت کسی امر میں بھی خواہ وجودی ہو یا غیر وجودی کوئی بھی اس کے ساتھ شریک نہیں ہے (اس کی جناب میں) مشارکتِ اسمیٰ اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔

انہی سببوں کی صفات اور افعال اس کی ذات کی طرح بے چون اور بے چگونہ ہیں۔ اور ممکنات کی صفات اور افعال کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتے، مثلاً صفتِ العلم اُس سبحانہ کی ایک صفتِ قدیم اور بسیطِ حقیقی ہے جس میں تعدد اور تکثر کو ہرگز دخل نہیں ہے، اگرچہ وہ تکثر تعددِ تعلقات کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ وہاں ایک ہی بسیط انکشاف ہے کہ ازل وابد کی معلومات اسی انکشاف سے منکشف ہوتی ہیں۔ اور حق تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کے متناسب و متضادہ (موافق و مخالف)

احوال کے ساتھ کئی وجزئی طور پر ہر ایک کے اوقاتِ مخصوصہ کے ساتھ آن واحد میں بسیط جانتا ہے۔ یعنی اسی ایک آن میں زید کو موجود بھی جانتا ہے اور معدوم بھی اور جنینِ دہاں کے

پیٹ میں بھی، اور طفل، جوان اور بوڑھا بھی، زندہ اور مردہ بھی، کھڑا ہوا اور بیٹھا بھی، تکیہ لگائے ہوئے اور لیٹا ہوا بھی، ہنستا ہوا اور روتا ہوا بھی، لذت پانے والا اور تکلیف پانے والا بھی، عزت والا اور

ذلیل بھی، برزخ میں بھی اور حشرات (عوضہ قیامت) میں بھی، جنت میں بھی اور اس کی لذات و نعمتوں میں بھی جانتا ہے، لہذا تعددِ تعلق بھی اس مقام میں مفقود ہے۔ کیونکہ تعددِ تعلقات، تعددِ اوقات اور

وقت کی کثرت چاہتا ہے۔ اور وہاں ازل سے ابد تک صرف ایک ہی آن واحد بسیط ہے جس میں کسی قسم کا تعدد نہیں ہے کیونکہ حق تعالیٰ پر نہ زمانہ جاری ہے اور نہ تقدم و تاخر کے احکام جاری ہو سکتے

ہیں۔ لہذا اس تعالیٰ کے علم میں اگر ہم معلومات کے ساتھ تعلق کا اثبات کریں تو وہ صرف ایک تعلق ہو گا جو تمام معلومات کے ساتھ متعلق ہے اور وہ تعلق بھی مجہول الکفایت ہے

(یعنی اس تعلق کی کیفیت معلوم نہیں) اور صفتِ العلم کی طرح بے چون و بے چگونہ ہے۔ ہم اس تصور کے استبعاد (یعنی قیاس اور فہم سے دور اور بعید ہونے) کو ایک مثال کے ذریعے

ذائل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں ایک کلمہ کو اس کے اقسامِ متباہتہ (مختلف اقسام) اور احوالِ متغاہرہ (متفرق احوال) اور اعتباراتِ متضادہ (مخالف اعتبارات) کے

جانتا ہے، لہذا اسی ایک وقت میں اس کلمہ کو اسم بھی جانتا ہے اور فعل بھی، حرف بھی اور ثلانی بھی (یعنی تین حروف والا)، رباعی (چار حروف والا) بھی اور عرب بھی (یعنی جو تینوں حالتیں رسمی نصی اور جری قبول کئے) یعنی بھی

سوال کے ذریعے تغیر و تبدل پانا، ممکن دکھانے والا بھی اور غیر ممکن بھی، منصرف (وہ اسم جو توہین قبول کرے) بھی اور غیر منصرف بھی، معرفہ (پہچانا ہوا) بھی اور نکرہ (جو نہ پہچانا جائے) بھی، ماضی بھی اور مستقبل بھی، امر بھی اور نہی بھی جانتا ہے، بلکہ اس شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ کہے کہ میں "کلمہ" کے تمام اقسام اور عبارات کو کلمہ کے آئینے میں بیک وقت تفصیل کے ساتھ دیکھتا ہوں، جبکہ ممکن کے علم میں بلکہ ممکن کی دید میں اضداد کا جمع ہونا متصور ہے تو پھر اس واجب تعالیٰ **وَاللّٰهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی** (نکل آیت) (اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب اعلیٰ ہے) کے علم میں یہ بات کس طرح بعید معلوم ہوتی ہے۔

جانتا چاہئے کہ اس جگہ اگرچہ ظاہر صورت میں جمع صدیق ہے لیکن حقیقت میں ان کے درمیان ضدیت (تضاد) مفقود ہے کیونکہ اگرچہ (حق تعالیٰ) زید کو آن واحد میں موجود اور معدوم جانتا ہے لیکن اسی آن میں یہ بھی جانتا ہے کہ اس کے وجود کا وقت مثلاً ہزار سال سنہ ہجری کے بعد ہے اور اس کے وجود سے "عدم سابق" کا وقت اس سال معین سے پہلے ہے، اور اس کے عدم لاحق کا وقت گیارہ سو سال کے بعد ہے۔ لہذا حقیقت میں ان دونوں کے درمیان زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے کوئی تضاد نہیں ہے، اور باقی احوال کو بھی اسی پر قیاس کر سکتے ہیں، پس سمجھ لو۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ حق تعالیٰ کا علم اگرچہ تغیر پانے والی جزئیات سے متعلق ہو لیکن اس کے علم میں تغیر کا شائبہ بھی راہ نہیں پانا اور حدوث کا گمان اس کی صفت میں پیدا نہیں ہوتا، جیسا کہ فلاسفہ نے زعم (غلط دعویٰ) کیا ہے۔ کیونکہ تغیر انہی تقدیر پر متصور ہو سکتا ہے جبکہ ایک کو دوسرے کے بعد جانا ہو، اور جب سب کو آن واحد میں جان لے تو پھر تغیر و حدوث کی گنجائش نہیں ہے۔ پس اس کی کچھ حاجت نہیں ہے کہ ہم اس (تعالیٰ) کے لئے متعدد تعلقات کا اثبات کریں تاکہ تغیر و حدوث ان تعلقات کے ساتھ راجع ہو، نہ کہ صفت علم کی طرف، جیسا کہ بعض مکملین نے فلاسفہ کے شبہ کو دور کرنے کے لئے کیا ہے۔ ہاں اگر معلومات کی جانب تعدد تعلقات کا اثبات کریں تو اس کی گنجائش ہے۔

اور اسی طرح ایک کلام بیطہ ہے جواز سے ابد تک اسی ایک کلام کے ساتھ گویا (ناطق) ہے۔ اگر امر ہے تو وہ بھی وہی ہے پیدا ہوا ہے اور اگر نہی ہے تو وہ بھی وہی ہے اور اگر اعلام (خبر) ہے تو بھی وہی ہے ماخوذ ہے اگر استغیام ہے تو وہ بھی وہی ہے، اگر تمنی یا ترجی ہے (آرزو کرنا۔ امید رکھنا)

تو وہ بھی وہیں سے مستفاد ہے۔۔۔۔۔ تمام نازل شدہ کتابیں اور بھیجے ہوئے صحیفے اس کلام بیضا کا ایک ورق ہیں، اگر تورات ہے تو وہ بھی وہیں سے لکھی گئی ہے اور انجیل ہے تو اس سے بھی وہیں سے صورت لفظی حاصل کی ہے، اور اگر زبور ہے تو وہ بھی وہیں سے مسطور ہوئی ہے اور اگر فرقان ہے تو وہ بھی وہیں سے نازل ہوا ہے۔۔۔

واحد کلام حق کہ علی الحق یکے است پس (روا شد بس کلام خدا ہے کلام حق)

پس در نزول مختلف آثار آمدہ (ہاں نزول میں مختلف آثار آئے ہیں)

اور اسی طرح ایک ہی فعل ہے اور اسی ایک فعل کے ذریعے اولین و آخرین کی مصنوعات

وجود میں آرہی ہیں (جیسا کہ ارشاد ہے) وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلِمَةً بَالْبَصْرَةِ (سورہ قمر آیت ۵۲)

(اور ہمارا حکم بس ایسا یکبارگی ہو جائے گا جیسے آنکھ جھپکانا)۔ اس آیت کریمہ میں (اس حقیقت مذکورہ کی طرف)

اشارہ ہے کہ اگر زندہ کرنا یا مارنا ہے تو وہ اسی ایک فعل سے مربوط ہے۔ اور اگر ایلام (کلیف) ہے

یا انعام ہے تو وہ بھی اسی ایک فعل سے (منوط) ملا ہوا ہے، اور اگر ایجاد ہے یا اعدام (مٹا دینا) ہے

تو وہ بھی اسی ایک فعل سے پیدا ہوا ہے۔۔۔۔۔ لہذا حق سبحانہ و تعالیٰ کے فعل میں بھی

تعدد تعلقات ثابت نہیں ہے بلکہ ایک ہی تعلق سے مخلوقات اولین و آخرین اپنے وجود کے اوقات

مخصوصہ میں وجود پذیر ہو رہی ہیں، اور یہ تعلق بھی حق تعالیٰ کے فعل کے مانند ہے چون وہ بے چگونہ ہے نیز کہ

چون کہ بے چگون کے ساتھ کوئی راہ نہیں ہے: لَا يَسْجُلُ عَطَايَا الْمَلِكِ إِلَّا مَطَايَاہُ (بادشاہوں کی

بخششیں ان کے ادنیٰ ہی اٹھا سکتے ہیں)۔

اشعری چونکہ حق جل سلطانہ کے فعل کی حقیقت سے واقف نہ تھے اس لئے تکوین کو حادث

کہہ دیا اور اس سبحانہ کے افعال کو بھی حادث جان لیا اور انھوں نے یہ نہیں جانا کہ یہ سب حق سبحانہ کے

فعل ازلی کے آثار ہیں نہ کہ اس تعالیٰ کے افعال۔۔۔۔۔ اور اسی قبیل سے یہ ہے کہ بعض صوفیہ

جنہوں نے تجلی افعال کا اثبات کیا ہے اور اس مقام میں ممکنات کے افعال کے آئینے میں سوائے

فعل واحد جل سلطانہ کے کچھ نہیں دیکھا، وہ تجلی حقیقت میں حق سبحانہ کے فعل کے آثار کی ایک تجلی ہے

ملہ یعنی امام ابراہیم اشعری جو فرقہ اشاعرہ کے بانی اور علم کلام کے مجدد تھے ۳۶۶ھ بصرہ میں پیدا ہوئے، ابتدا میں معتزلہ

کے سرگرم کارکن رہے پھر شافعی مسلک اختیار کر کے دینی مسائل کو فلسفیانہ انداز سے مرتب کیا اور تقریباً ۳۳۰ کتابیں لکھیں

جن میں مقالات الاسما میں سب سے زیادہ اہم ہے ۳۲۲ھ بغداد میں آپ کا انتقال ہوا۔

نہ کہ اس تعالیٰ کے فعل کی تجلی، کیونکہ اس تعالیٰ کے فعل کو جو بے چون و بے چگونہ ہے اور قدیم ہے اور اس تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو تکوین کہتے ہیں، محدثات کے آئینے میں اس کی گنجائش نہیں اور ممکنات کے مظاہر میں اس کا کوئی ظہور نہیں ہے۔

در تنگنہ صورت معنی چگونہ گنجد
در کلبہ گدایاں سلطان چہ کار دارد
(صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں آئے) گنگے کی جو پڑھی میں کیوں بادشاہ جائے
اس فقیر کے نزدیک افعال و صفات کی تجلی ذات تعالیٰ و تقدس کی تجلی کے بغیر متصور نہیں ہے کیونکہ افعال و صفات حضرت ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا نہیں ہیں تاکہ ان کی تجلی ذات کی تجلی کے بغیر متصور ہو سکے۔ اور جو کچھ ذات تعالیٰ و تقدس سے جدا ہے وہ اس سجادہ کی صفات و افعال کے ظلال ہیں، لہذا ان کی تجلی افعال و صفات کے ظلال کی تجلی ہوتی ہے کہ افعال و صفات کی تجلی۔ لیکن ہر شخص کی سمجھ اس کمال تک نہیں پہنچ سکتی: ذٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ (جمہ آیت) (یسا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے)۔

حقیقت (۲) اب ہم اصل بات کی طرف رجوع ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز میں حلول نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی چیز اس میں حلول کر سکتی ہے لیکن وہ تعالیٰ "محیط اشیاء" ہے (یعنی تمام اشیاء کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے) اور ان کے ساتھ قرب و محبت رکھتا ہے، اور وہ احاطہ قرب و محبت ایسا نہیں ہے جو ہماری فہم قاصر میں آسکے کیونکہ یہ ذات اس تعالیٰ کی جنابِ قدس کے شاہانِ شان نہیں ہے۔ اور (صوفیہ) جو کچھ کشف و شہود سے معلوم کرتے ہیں وہ تعالیٰ اس کے بھی منزہ ہے۔ کیونکہ ممکن (بشر وغیرہ) کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کی حقیقت سے سوائے جہل و نادانی اور حیرت کے کچھ نصیب نہیں ہے، غیب پر ایمان لانا چاہئے اور جو کچھ مکشوف و مشہود ہو اس کو کلا کی نفی کے تحت لانا چاہئے۔

عقائد نکار کس نشود دام باز ہیں
داٹھالے جال، نکار عنقا محال
کامیں جا ہمیشہ باد بدست ہست دام را
بس یہاں جال کا یہی ہے نال

حضرت ایشاں (خواجہ باقی باشرؒ) کی ایک بیت اس مقام کے مناسب ہے۔

ہنوز اوان استغنا بلند است

نصر استغنا تو او نچا ہے ہنوز

مرا فکر رسیدن ناپسند است

سخت مشکل وان پہنچا ہے ہنوز

پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ تعالیٰ "معبود اشیاء" یعنی تمام اشیاء کو محیط ہے اور ان سے قریب ہے اور ان کے ساتھ ہے لیکن اس احاطہ اور قرب و معیت کے معنی (وحقیقت) اس تعالیٰ کے ساتھ کیا ہیں وہ ہم نہیں جانتے۔ اس کو احاطہ اور قرب علمی کہتا بھی تاویلات کے تشابہ سے ہے اور ہم اس تاویل کے قائل نہیں ہیں۔

حقیقۃً (۳۱) اور حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں ہے اور اسی طرح کوئی چیز بھی

اس سبحانہ کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتی۔ اور بعض صوفیہ کی عبارات سے جو کچھ اتحاد کا مفہوم لیا جاتا

ہے وہ ان کی مراد کے خلاف ہے کیونکہ ان کی مراد اس کلام سے جس سے اتحاد کا وہم ہوتا ہے

إِذْ أَنْتُمْ الْفُقَرَاءُ فَخَوَّاهُ اللَّهُ سَبِيحًا يَوْمَئِذٍ لَمَنْ يَلْمِ اللَّهَ عَمَّا يُوقِنُ إِنَّ اللَّهَ يَكْفُرُ بِمَا يَكْفُرُونَ

اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا، یہ کہ وہ فقیرانہ تعالیٰ کے ساتھ متحد ہو جائے اور خدا ہے کیونکہ کفر اور نفاق پر تعالیٰ اللہ سبحانہ

عَلَّمَا يَتَّوَعَّهُمُ الظَّالِمُونَ عَلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ سبحانہ ظالموں کے وہم و گمان سے بہت بلند اور بڑا ہے)۔

اور جیسے حضرت خواجہ بدایونی (قدس سرہ) فرمایا کرتے تھے کہ انا الحق سے یہ مراد نہیں

کہ "میں حق ہوں" بلکہ مطلب یہ ہے کہ "میں نہیں ہوں حق سبحانہ موجود ہے"۔

حقیقۃً (۳۲) اور تغیر و تبدل کو اس تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال میں کوئی راہ نہیں

فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يَتَّغَيَّرُ مِمَّا يَدَّعِيهِ وَلَا يَمُوتُ وَلَا يَأْتِيهِ أَفْعَالُ بَعْضِ الْأَوَّامِينَ (پس

پاک ہے وہ ذات جو اپنی ذات و صفات اور افعال میں کائنات (موجودات) کے حدوث (حوادث) سے متغیر

نہیں ہوتی)۔ اور جو کچھ صوفیہ وجودیہ نے تنزلات خم کے بارے میں اثبات کیا ہے

وہ مرتبہ و وجوب میں تغیر و تبدل کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ وہ کفر و گمراہی ہے بلکہ ان تنزلات کو

حق تعالیٰ کے کمال کے ظہورات کے مراتب میں اعتبار کیا ہے بغیر اس بات کے کہ حق تعالیٰ کی

ذات و صفات اور افعال میں کوئی تغیر و تبدل راہ پائے۔

حقیقۃً (۳۵) : اور حق تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں غنی مطلق ہے اور کسی امر (کا)

میں بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہے، اور جس طرح وجود میں محتاج نہیں ہے اسی طرح ظہور میں بھی

محتاج نہیں ہے۔ اور یہ جو بعض صوفیوں کی عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے
اسمائی و صفائی کمالات کے ظہور میں پہلا محتاج ہے۔ یہ بات فقیر پر ہیبت گراں ہے بلکہ جانتا ہے کہ
ان (مخلوق) کی پیدائش سے مقصود خود ان کے اپنے کمالات کا حاصل ہونا ہے نہ کہ وہ کمال جو حق تعالیٰ
قدس کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔ آیہ کریمہ: **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي** (اور اے
ای لیغیر فون) اور میں نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اپنی معرفت کے لئے (وہی
مطلب کی تائید کرتی ہے)۔ لہذا جن و انس کی پیدائش سے مقصود ان کو معرفت کا
حصول ہے جو کہ ان کے لئے کمال ہے، نہ یہ کہ ایسا امر جو حق سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف عائد ہو سکے۔
اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے: **فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِأَعْرِفَهُمْ** (میں نے مخلوق کو
اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ میں پہچان جاؤں) اس جگہ بھی ان کی اپنی معرفت مراد ہے نہ یہ کہ میں (یعنی حق تعالیٰ)
معروف ہو جاؤں اور ان کی معرفت کے توسل سے کمال حاصل کروں۔ **تَعَالَى اللَّهُ عَنِ ذَٰلِكَ**
عُلُوًّا كَبِيرًا (اللہ تعالیٰ ان باتوں سے بہت بلند اور سب سے بڑا ہے)۔

حقیقہ (۶)؛ حق تعالیٰ نقص کی تمام صفوں (اقسام) اور حدوث کے تمام نشانات سے منزہ
اور مبرا ہے، جس طرح وہ جسم و جسمانی نہیں ہے مکانی و زمانی بھی نہیں ہے بلکہ تمام صفات کمال
اسی کے لئے ثابت ہیں، جن میں سے آٹھ صفات کمال وجود ذات تعالیٰ و تقدس پر وجود زائد کے ساتھ
موجود ہیں۔ اور وہ آٹھ صفات: حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر، کلام اور تکوین (پیدا کرنا) ہیں
اور یہ صفات خارج میں موجود ہیں، اور ایسا نہیں ہے کہ وجود ذات پر وجود زائد کے ساتھ علم میں موجود
ہیں اور خارج میں نفس ذات تعالیٰ و تقدس ہیں جیسا کہ بعض صوفیہ وجودیہ نے گمان کیا ہے اور کہا ہے
از روئے تعقل ہم غیر اند صفات با ذات تو از روئے تحقیق ہمہ عین
د عقل کہتی ہے صفات اغیار ہیں سچ یہ ہے وہ ذات میں ہیں عین ذات

کیونکہ اس میں درحقیقت صفات کی نفی ہے اس لئے صفات کی نفی کرنے والے یعنی معتزلہ اور فلاسفہ
نے بھی تغائر علمی اور اتحاد خارجی کہا ہے اور تغائر علمی سے انکار نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ علم کا مفہوم
عین مفہوم ذات تعالیٰ و تقدس ہے یا عین مفہوم قدرت و ارادہ ہے، بلکہ عینیت وجود خارجی کے
اعتبار سے کہا ہے۔ لہذا جب تک یہ (صوفیہ) وجود خارجی کے تغائر کا اعتبار نہ کریں صفات کے انکار
لہ ملا علی قاری نے فرمایا کہ اس کے معنی صحیح ہیں اور آیت **وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِي** سے مستفاد ہے۔ (مغرب)

کونے والوں میں سے نہیں نکلتے، کیونکہ تغافل اعتباری کچھ نفع نہیں دیتا، کما عرفت جیسا کہ تو نے سمجھ لیا۔
 عقیدہ (۷) اور حق تعالیٰ قدیم اور ازل ہے اور اس کے سوا کسی کے لئے "قدم و ازل" ثابت نہیں،
 تمام ملتوں کا اس ہاجل ہے اور جو شخص بھی حق جل و علا کے سوا کسی غیر کے قدم و ازلیت کا قائل ہو
 اس کی تکفیر کی ہے۔ امام غزالی نے اسی وجہ سے ابن سینا اور فارابی اور ان جیسے عقائد
 والوں کی تکفیر کی ہے جو عقول و نفوس کے قدم کے قائل ہیں اور یہی اور صورت کے قدم ہونے کا
 گمان رکھتے ہیں اور آسمانوں کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کو بھی قدیم جانا ہے۔
 اور ہمارے خواجہ حضرت بیاتی باشہ قدس سرہ فرماتے تھے کہ "شیخ نجی الدین بن العربی کا ملین کی ارجح
 کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔" اس بات کو ظاہر کی طرف سے پھیر کر تاویل پر معمول کرنا چاہئے تاکہ
 اہل ملت کے اجلاء کے مخالف نہ ہو۔

عقیدہ (۸) اور حق تعالیٰ قادر مختار ہے۔ ایجاب کی آمیزش اور اضطرار کے گمان سے منزہ
 اور میر ہے۔ بے عقل فلاسفہ نے کمال کو ایجاب میں جان کر واجب تعالیٰ سے اختیار کی نفی
 کی کہ اس کے ایجاب کا اثبات کیلئے، اور ان بے عقلوں نے ذات واجب تعالیٰ و تقدس کو
 بیکار سمجھا ہے اور سوائے ایک مصنوع کے کوہ بھی ایجاب سے ہے زمین و آسمان کے خالق سے
 صادر نہ جان کر حادثہ کے وجود کو عقلی فعال کی نسبت دی ہے جس کا وجود ان کے دہم کے علاوہ
 کہیں ثابت نہیں ہے۔ اور ان کے فاسد زعم میں حق سبحانہ و تعالیٰ سے ان کو کچھ کام نہیں ہے۔
 لازمی طور پر چاہئے تھا کہ اضطراب و اضطرار کے وقت اپنی عقلی فعال کی طرف التجا
 کرتے اور حضرت حق سبحانہ کی طرف رجوع نہ کرتے کیونکہ ان کے نزدیک حوادث کے وجود میں اس
 تعالیٰ کی کوئی مداخلت نہیں ہے۔ اور کہتے ہیں کہ عقلی فعال ہی حوادث کی ایجاد سے تعلق رکھتی ہے
 بلکہ وہ تو عقلی فعال سے بھی رجوع نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک بلیات کے دفع کرنے میں بھی اس کا
 اختیار نہیں ہے۔ یہ بد نصیب (فلاسفہ) اپنی بے وقوفی اور حماقت میں فرقہ منلالہ سے بھی آگے
 بڑھ گئے حالانکہ کافر بھی بخلاف ان بد بختوں کے حق سبحانہ و تعالیٰ سے التجا کرتے ہیں اور بلاؤں کے
 دفع کو اسی تعالیٰ سے طلب کرتے ہیں۔ تمام گمراہ اور بے دین قرقوں کی
 نسبت ان بد بختوں میں دو چیزیں زیادہ ہیں ایک یہ کہ احکام منزلہ کافر اور انکار کرتے ہیں اور

اور بیاندروی سے دور ہو گئے ہیں۔۔۔۔۔ شیخ (موصوف) کو جو کما و لیا کے مقبولین میں سے ہیں
خطائے کشفی کے باعث کس طرح رد کر دیا جائے اور ان کے علوم کو جو کہ صحت و صواب سے دور ہیں
اور اہل حق کی رائے کے مخالف ہیں تقلید کی وجہ سے کس طرح قبول کیا جاسکتا ہے: فَاَلْحَقْهُمُ
التَّوَسُّطُ الَّذِي وَفَّقَنِي اللَّهُ سُبْحَانَهُ يَمْتَنِعُ وَكَرِهِيهِ (بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) جس حق اسی میان روی میں ہے جس کی توفیق
اللہ سبحانہ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے بخشی ہے۔

ہاں مسئلہ وحدت الوجود میں اس گروہ (صوفیہ) کی ایک بڑی جماعت شیخ کے ساتھ شریک ہے
اگرچہ شیخ (موصوف) اس مسئلہ میں بھی ایک خاص طرز رکھتے ہیں لیکن اصل بات میں وہ سب لوگ
(شیخ کے ساتھ) شریک ہیں۔ یہ مسئلہ بھی اگرچہ ظاہر میں اہل حق کے عقائد کے مخالف ہے لیکن توجہ کے
قابل اور تطبیق دینے کے لائق ہے۔۔۔۔۔ اس فقیر نے اللہ سبحانہ کی عنایت سے ہمارے حضرت
(خواجہ باقی بانسٹر) کی شرح رباعیات کی شرح میں اس مسئلہ کو اہل حق کے عقائد کے ساتھ تطبیق
دی ہے اور فریقین کے نزاع کو لفظ کی طرف پھیرا ہے (یعنی نزاع لفظی ثابت کیا ہے) اور طرفین کے
شکوک و شبہات کو اس طرح حل کیا ہے کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی: لَمَّا لَا يَخْفَى عَلَى
النَّاطِرِ فَيْدٍ (جیسا کہ اس کے دیکھنے والے پر پوشیدہ نہیں ہے)۔

عقیدہ (۹) جاننا چاہئے کہ تمام ممکنات خواہ جو اہر سوں یا اہل حق، خواہ اجسام و عقول ہوں، جو
یا نفوس، افلاک ہوں یا عناصر سب اسی قادر مختار کی ایجاد کئے ہوئے ہیں جو یہاں خانہ عدم
سے معرض وجود میں لایا ہے، اور جس طرح یہ سب اپنے وجود میں اس تعالیٰ کے مخرج ہیں اسی
طرح بقا (باقی رہنے) میں بھی اس سبحانہ کے محتاج ہیں، اور اُس نے اسباب و وسائل کے وجود کو
اپنے فعل کار و پوش بنا دیا ہے اور حکمت کو اپنی قدرت کے پردے بنا دیے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ
اسباب کو اپنے فعل کے ثبوت کے دلائل قرار دے کر حکمت کو اپنی قدرت کے وجود کا وسیلہ فرمایا
کیونکہ وہ عقلمند حضرات جنہوں نے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی متابعت
میں اپنی بصیرت کو سرگیں اور روشن کر لیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسباب و وسائل اپنے وجود و بقا
میں اس سبحانہ کے محتاج ہیں اور اپنا ثبوت و قیام اسی تعالیٰ و تقدس سے اور اسی کے ساتھ رکھتے
ہیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ جمادِ محض ہیں، وہ کس طرح دوسرے میں جو وہ بھی ان کے مثل (جماد) ہے

اثر انداز ہو سکتے ہیں اور ان میں احوادث و اختراع کس طرح کر سکتے ہیں (مہرگز نہیں) بلکہ ان کے علاوہ اور قادر ہے جو ان کو ایجاد کرتا ہے اور ہر ایک کے لائق و مناسب کمالات ان کو عطا فرماتا ہے جیسا کہ عقلمند آدمی جادِ محض سے فعل کو دیکھ کر اس کے قائل اور محرک کا سرعہ لگا لیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ فعل اس (جاد) کے حال کے لائق نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کوئی اور فاعل ہے جو اس فعل کو اس میں ایجاد کرتا ہے، لہذا عقلمندوں کے نزدیک جاد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش ہونا ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی جادیت کی طرف نظر کرنے کے لحاظ سے

اس کا وہ فعل فاعل حقیقی کے وجود پر دلیل ہو گیا پس یہاں بھی اسی طرح ہے۔
البتہ اس بے وقوف کے فہم میں جاد کا فعل فاعل حقیقی کے فعل کا روپوش بن گیا جس نے اپنی حد بے وقوفی کی وجہ سے جادِ محض کو اس ظاہری فعل کے سبب صاحبِ قدرت جان لیا ہے اور فاعل حقیقی کا منکر ہو گیا ہے: **يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا** (قرآن آیت ۲۶) (مگر اہ کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت لوگوں کو)۔

یہ معرفت مشکوٰۃ نبوت سے مقبض ہے لیکن ہر شخص کی فہم اس تک نہیں پہنچتی۔ ایک جاہل اس کمال کو اسباب کے دور کرنے میں جانتی ہے اور شروع ہی سے چیزوں کو بغیر اسباب کے تو سطا کے حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے اور نہیں جانتے کہ اسباب کے رفع کرنے میں حکمت ختم ہو جاتی ہے جس کے ضمن میں بہت سی مصلحتیں مد نظر ہیں: **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا** (آل عمران آیت ۱۹۱) (اے ہمارے رب! تو نے یہ سب بیکار اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا)۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رعایت کرتے ہیں اور (باوجود اس رعایت کے اپنے کام کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی مراعات سے جانتے ہیں جیسا کہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے نظر بد لگ جانے کے خیال سے اپنے لڑکوں کو وصیت فرمائی تھی: **يَسْتَعِي لَاتَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَاَدْخُلُوا مِنْ اَبْوَابٍ مُنْتَفِرَةٍ** (تیسرا یوسف آیت ۶) (اے میرے بیٹے تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا)۔

اور حضرت یعقوب نے اس احتیاطی تدبیر کی رعایت کے باوجود اپنے حکم کو جل سلطانہ کے سپرد کر کے فرمایا: **مَا اَعْظَمَ عَنَّا مَنْ اَتَى مِنْ اَتَى** (ابن الحکم راجعاً لایۃ علیہ تو کلت وعلیہ

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۳﴾ یہ آیت میں تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ بھی نہیں بچا سکتا۔ بیشک حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اسی پر میں نے توکل (بھروسہ) کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے ان کی اس معرفت کو پسند فرمایا کہ اس بات کو اپنی طرف منسوب کر کے فرمایا: وَإِنَّ لَكَ لَدُنَّا عِلْمًا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ وَإِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾ (یوسف آیت ۶۸) اور وہ (حضرت یعقوب) بیشک بہت ہی صاحب علم تھے اس لئے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اسباب کے واسطہ کا اشارہ فرمایا ہے: يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾ (انفال آیت ۶۲) (مے نبی! آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ مومنین بھی جو آپ کی اتباع کرتے ہیں)۔

باقی رہا یہ کہ اسباب کی تاثیر رواہے کیونکہ بعض اوقات حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اسباب میں بھی تاثیر فرمادیتا ہے تاکہ وہ موثر ہو جائے، اور بعض اوقات ان میں تاثیر پیدا نہیں فرماتا لہذا ناچار اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ چنانچہ ہم (روزمرہ) اسباب میں اس حقیقت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ کبھی ان اسباب پر مسبات کا وجود مرتب ہوتا ہے اور کبھی کوئی اثر ان سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسباب کی تاثیر سے مطلقاً انکار کرنا لغو و باطل ہے۔ تاثیر کو ماننا چاہئے لیکن اس تاثیر کو بھی اس کے سبب کی طرح حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی ایجاد سے جانا چاہئے۔ فقیر کی رائے اس مسئلہ میں یہی ہے: وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۶۶﴾ (جیسا کہ اللہ سبحانہ نے الہام فرمایا)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ اسباب کا واسطہ توکل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ناقصوں نے خیال کیا ہے بلکہ اسباب میں توسط کا خیال کرنا کمال توکل ہے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسباب کو بد نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو حق حل و علا کے سپرد کرنے کو توکل فرمایا: عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۳﴾ (یوسف آیت ۶۴) (اسی پر میں نے توکل کیا اور اسی پر توکل کرنے والوں کو توکل (بھروسہ) کرنا چاہئے)۔

حقیقت کا (۱۰) اور حق تعالیٰ خیر و شر کا ارادہ کرنے والا بھی ہے اور دونوں (خیر و شر) کا پیدا کرنے والا بھی، لیکن وہ خیر سے راضی ہوتا ہے اور شر سے ناراض۔ ارادہ اور رضا کے درمیان یہ ایک بڑا باریک

اور دقیق فرق ہے جس کی طرف حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اہل سنت کو ہدایت عطا فرمائی ہے۔ باقی تمام فرقہ س فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے گمراہی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ اسی وجہ سے معتزلہ نے بندہ کو اپنے افعال کا خالق کہا ہے اور کفر و معاصی کی ایجاد کو اس (بندہ) سے منسوب کیا ہے۔

شیخ محی الدینؒ اور ان کی پیروی کرنے والوں کے کلام سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح ایمان و عمل صالح "اسم الہادی" کے پسندیدہ ہیں اسی طرح کفر و معاصی بھی "اسم المضل" کے پسندیدہ ہیں۔ (شیخ کی) یہ بات بھی اہل حق کے خلاف ہے اور ایجاب کی طرف میدان رکھتی ہے جو ہنا کا متناہوتی ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ آفتاب کا کام صوفشانی (روشنی پھیلانا) ہے اور اس میں اس کی مرضی شامل ہے۔ اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو قدرت و ارادہ عطا کیلئے کہا ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے افعال کا کسب کرتے ہیں۔ افعال کا پیدا کرنا حق سبحانہ کی طرف منسوب ہے اور ان افعال کا کسب بندوں کی جانب منسوب ہے۔ اللہ سبحانہ کی عادت اسی طرح جاری ہے کہ بندہ جب اپنے فعل کا ارادہ کرتا ہے تو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔ چونکہ بندہ کا فعل اپنے اختیار سے صادر ہوتا ہے اس لئے لازمی طور پر اس کی تعریف اور برائی، ثواب اور عذاب بھی اسی سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ بندے کا اختیار کمزور اور ضعیف ہے اگر حق سبحانہ کی قوت اختیار کے اعتبار سے (اس بندے کے اختیار) کو ضعیف کہا ہے تو مسلم ہے اور اگر اس معنی میں کہا گیا ہے کہ جس کام کے کرنے میں اس کو باہر کیا گیا ہے وہ (قوت و اختیار) کافی نہیں ہے، تو یہ بیات صحیح نہیں: **فَإِنَّ اللَّهَ بِسَجَانَةِ الْإِنْسَانِ لَكَيْفٌ يَّمَّا لَيْسَ فِي وَسْعِهِ بَلْ يُرِيدُ الْإِسْرَافَ وَلَا يُرِيدُ الْحُسْرَافَ** (پس بیشک اللہ سبحانہ ایسے کام کی تکلیف نہیں دیتا جو بندے کی وسعت سے باہر ہو بلکہ وہ تو آسانی کا ارادہ کرتا ہے اور تنگی کا ارادہ نہیں کرتا)۔

خلاصہ کلام یہ کہ "فعل موقت" (چند روزہ زندگی کے فعل) پر جزائے مخلد (دائمی عذاب) کا مقرر کرنا حق تعالیٰ کے حوالہ ہے جس نے "کفر موقت" کی منہ اس کے اعمال کے موافق "عذاب مخلد" فرمائی۔ اور "ملذذاتِ دائمی" (یعنی بہشت اور جو کچھ اس میں ہے) کو "ایمان موقت" (زندگی بھر کے ایمان پر وابستہ کر دیا، **ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ**) (یعنی عزیز و حکیم کا مقرر کردہ ہے)۔

اللہ سبحانہ کی توفیق سے اس قدر تو ہم جانتے ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ جو ظاہری

اور باطنی نعمتوں کا دینے والا اور آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جس کی بارگاہِ قدس کے لئے ہر قسم کی بزرگی اور کمال ثابت ہے اس کی نسبت کفر اختیار کرنے کی مزاحمت ایسی ہی ہونی چاہئے جو سخت ترین سزاؤں میں سے ہو اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہتا ہے۔ اور اسی طرح اس منعم بزرگ و بزرگ ایمان یا الغیب اللہ اور نفس و شیطان کی مزاحمت کے بناو جو اس کو راست گوجاننے کی جزا بھی ویسی ہی ہونی چاہئے جو سب جزاؤں سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کی ہو اور وہ دائمی نعمت و لذات میں رہتا ہے۔ بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ درحقیقت بہشت میں داخل ہونا محض حق سبحانہ کے فضل پر موقوف ہے، اور اس کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا اس وجہ سے ہے کہ اعمال کی جزا لذتیں معلوم ہو۔ لیکن اس فقیر کے نزدیک حقیقتاً بہشت میں داخل ہونا ایمان کی وابستگی پر موقوف ہے لیکن ایمان بھی اس سبحانہ و تعالیٰ کا فضل اور عطیہ ہے۔ اور جہنم میں داخل ہونا کفر کے ساتھ وابستہ ہے اور کفر نفسِ ہمارہ کی خواہشات سے پیدا ہوتا ہے: مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ (نساء آیت ۷۹) جو کچھ بھلائی تجھ کو پہنچی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کچھ برائی تجھ کو پہنچی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

جاننا چاہئے کہ بہشت کے داخلہ کو ایمان کے ساتھ مربوط کرنا حقیقت میں ایمان کی تعظیم اور تکریم ہے بلکہ ”مومن بہ“ (جس پر ایمان لایا گیا) کی تعظیم ہے جس پر اسقدر بڑا عظیم الشان اجر مرتب ہوا ہے۔ اور اسی طرح دوزخ میں داخل ہونے کو کفر کے ساتھ وابستہ کرنے میں کفر کی تحقیر ہے، اور اس ذات کی تعظیم ہے جس کی نسبت یہ کفر وقوع میں آیا اور اس طور پر دائمی عذاب اس پر مرتب ہوا۔ بر خلاف اس بات کے جو بعض مشائخ نے کہی ہے کہ اس دقیقہ سے غالی ہے۔ اور نیز دوزخ میں داخل ہونا بھی انصاف کے تقاضے پر ہے اور کوئی مثال اس طرح پر جاری نہیں ہے۔ کیونکہ جہنم میں داخل ہونا حقیقت میں کفر کے ساتھ مربوط ہے، وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ الْمَلِئُومٌ هَذَا (اللہ سبحانہ ہی اہم فرمانے والا ہے) اس کو یاد رکھیں۔

عقیدہ (۱۱) اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو مومنین آخرت میں بے جہت بے کیف اور بے شبہ و بے مثال جنت میں دیکھیں گے۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس میں اہل سنت کے علاوہ تمام اہل ملت اور غیر اہل ملت سب اس کے منکر ہیں اور بے جہت و بے کیف رویت کو

جا رہے ہیں سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ شیخ محی الدین بن العربیؒ بھی آخرت کی رویت کو "تجلی صوری" کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور اس تجلی صوری کے علاوہ کچھ تجویز نہیں کرتے۔ ایک روز ہمارے حضرت (خواجہ باقی باللہ) شیخ سے نقل کرتے تھے کہ اگر معتزلہ رویت کو تنزیہ کے مرتبہ میں مقید نہ کرتے اور تشبیہ کے بھی قائل ہو جاتے اور اسی رویت کو تجلی (صوری) سمجھ لیتے تو ہرگز رویت کا انکار نہ کرتے اور محال نہ سمجھتے یعنی ان کا انکار بے جہتی اور بے کیفی کی وجہ سے ہے جو مرتبہ تنزیہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف اس تجلی کے جس میں جہت اور کیف ملحوظ رکھا جاتا ہے۔

یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ آخرت کی رویت کو تجلی صوری کی طرح بیان کرنا فی الحقیقت خاص رویت کا انکار کرنا ہے کیونکہ وہ تجلی صوری اگرچہ دنیاوی تجلیات صوری کے مختلف ہے لیکن حق تعالیٰ کی رویت نہیں ہے۔

يَرَاهُ الْمُؤْمِنُونَ بِغَيْرِ كَيْفٍ
وَإِذْ رَأَوْهُ كَضَرْبٍ مِّنْ مِّثَالٍ
(جنتی کو دید حق کی ہوگی سیر
کیف و ادراک اور مثالوں کے بغیر)

عقیدہ (۱۲) انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت عالم (تمام جہان) کے لئے سر امر رحمت ہے اگر ان بزرگواریوں کے وجود کا وسیلہ نہ ہوتا تو ہم جیسے گمراہوں کو ذات و صفات واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی معرفت کی طرف کون ہدایت فرماتا اور ہمارے مولا اہل شانہ کی مرضیات و نامرضیات والی چیزوں میں کون تمیز کرتا، اور ہماری ناقص عقلیں ان (بزرگواریوں) کے نور دعوت کی تائید کے بغیر اس کے سمجھنے سے معزول و بیکار ہیں اور ہمارے اہم نام تمام ان بزرگواریوں کی تقلید کے بغیر اس معاملہ میں عاجز و بے بس ہیں۔ بیشک عقل اگرچہ ایک حجت (دلیل) ہے لیکن یہ ایک نام تمام حجت ہے جو مرتبہ بلوغ تک نہیں پہنچی ہے۔ حجت بالغہ (دلیل کامل) انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کی بعثت ہے جس پر آخرت کا دائمی عذاب و ثواب وابستہ ہے۔

سوال: جب آخرت کا دائمی عذاب بعثت پر موقوف ہے تو پھر بعثت کو "رحمت عالیان" کہنا کیا معنی ہوگا۔

جواب: بعثت (انبیاء) رحمت ہے کیونکہ واجب الوجود تعالیٰ و تقدس کی ذات و صفات کی معرفت کا سبب ہے جس میں دنیا و آخرت کی سعادتیں شامل ہیں۔ اور بعثت (انبیاء) کی دولت کی وجہ سے

معلوم ہو گیا کہ فلاں چیز حق تعالیٰ کی بارگاہ قدس کے مناسب ہے اور فلاں نامناسب کیونکہ ہماری لشکر ہی اور اندھی عقل امکان و حدوث کے داغ سے داغدار ہے وہ کیسا سمجھے کہ اس حضرت و جوب کے لئے جس کے واسطے قدم لازم ہے اس کے اسما و صفات اور افعال میں سے کون سے مناسب ہیں اور کون سے نامناسب تاکہ ان مناسب (اسما و صفات) کا اطلاق کیا جائے اور نامناسب سے پرہیز کیا جائے۔ بلکہ اوقات (ہماری اندھی عقل) اپنے نقص کی وجہ سے کمال کو نقص جانتی ہے اور نقص کو کمال سمجھنے لگتی ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ (مناسب و نامناسب کا) امتیاز تمام ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ وہ شخص بڑا ہی بد بخت ہے جو نامناسب امور کو اس تعالیٰ کی پاک بارگاہ کی طرف منسوب کرے اور ناشائستہ چیزوں کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ نسبت دے۔ یہ بعثت (انبیاء ہی) کا کارنامہ ہے جس نے حق کو باطل سے جدا کر دیا بعثت ہی کی وجہ سے غیر مستحق عبادت اور مستحق عبادت (حق جل و علا) کے درمیان تمیز قائم کی۔ یہ بعثت ہی ہے کہ جس کے ذریعے حق جل و علا کے راستے کی طرف دعوت دی جاتی ہے جو بندوں کو مولے جل سلطانہ کے قرب اور وصل کی سعادت تک پہنچاتی ہے۔ اور بعثت ہی کے وسیلے سے مولیٰ جل شانہ کی مرضیات کی اطلاع میسر ہوتی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا۔ بعثت ہی کے طفیل اس تعالیٰ کی ملک میں تصرف کا جواز و عدم جواز کی تمیز حاصل ہوتی ہے۔ اور بعثت کے فوائد کی مثالیں بکثرت ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ انبیاء کی بعثت سراپا رحمت ہے۔ اور جو شخص اپنے نفسِ امارہ کا مطمع ہو گیا اور شیطانِ لعین کے حکم سے بعثت کا انکار کرتا ہے اور بعثت کے تقاضوں کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اس میں بعثت کا کیا گناہ اور بعثت کس طرح رحمت نہ ہوگی۔

سوال: ہر خید عقل اپنی ذات کی حد تک احکامِ الہی جل شانہ کی بجا آوری میں ناقص و ناتمام ہے لیکن ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ تصفیہ اور تزکیہ حاصل ہونے کے بعد عقل کو مرتبہ و جوب تعالیٰ و تقدس کے ساتھ ایک بے تکلیف مناسبت اور اتصال پیدا ہو جائے کہ جس مناسبت اور اتصال کے سبب احکام کو وہاں سے اخذ کر لے اور اس کو اس بعثت کی جو فرشتے کے واسطے سے ہے کوئی حاجت نہ رہے۔

جواب: اگرچہ عقل یہ مناسبت اور اتصال پیدا کر لے لیکن وہ تعلق جو اس کا جسمانی بدن کے ساتھ ہے وہ بالکل ختم نہیں ہوتا اور کامل طور پر علیحدگی حاصل نہیں ہوتی، ابتدا قوتِ واہمہ ہمیشہ

دامگیر رہتی ہے اور قوتِ تخیلہ ہرگز اس کا خیال نہیں چھوڑتی اور قوتِ غصیبہ و شہویہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے اور حرص و لالچ کے رذائل ہر وقت اس کے ہم نشین رہتے ہیں، سہو و نیان جو نوعِ انسانی کی لوازمات میں سے ہیں اس کی عقل سے مکمل طور پر جدا نہیں ہوتے، اور غلطی و خطا جو اس جہان کا خاصہ ہے اس سے جدا نہیں ہوتے۔ لہذا عقلِ اعتماد کے لائق نہیں ہے، اور اس سے ماخوذ احکام و ہم اور تصرفِ خیال کے غلبہ سے محفوظ نہیں رہتے اور نیان و خطا کے گمان کی آمیزش سے محفوظ نہیں رہتے، برخلاف فرشتے کے کہ وہ ان اوصاف سے پاک اور ان رذائل سے مبرا ہے تو لازماً وہ اعتماد کے قابل ہے اور اس سے ماخوذ احکام و ہم و خیال کی آمیزش اور نیان و خطا کے گمان سے محفوظ ہیں۔

اور بعض اوقات وہ علوم جو تلقیِ روحانی (الفہمِ روحانی) سے اخذ کئے ہوئے ہوتے ہیں ان کے متعلق تبلیغ کے دوران ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قوی و حواس کے ساتھ بعض مقدماتِ مسلمہ غیر صادقہ جو ہم و خیال یا کوئی ذریعہ حاصل ہوئے ہیں بے اختیار ان علوم کے ساتھ اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ اس وقت ہرگز تمیز ممکن نہیں رہتی، اور دوسرے وقت میں ایسا ہوتا ہے کہ اس تمیز کا علم دیدیا جاتا ہے اور کبھی نہیں دیا جاتا۔ لہذا لازمی طور پر وہ علوم ان مقدمات کے بل جانے کی وجہ سے کذب کی ہیئت پیدا کر لیتے ہیں اعتماد کے قابل نہیں رہتے۔ یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تصفیہ اور تزکیہ کا حاصل ہونا اعمالِ صالحہ کے بجائے پر موقوف ہے جو مریضیاتِ مولیٰ سوانہ ہیں۔ اور یہ معنی بعثت (انبیاء) پر وابستہ ہیں، جیسا کہ بیان ہو چکا۔

لہذا ثابت ہوا کہ بعثت کے بغیر تصفیہ اور تزکیہ کی حیثیت میسر نہیں ہوتی اور وہ صفائی جو کفار اور اہل فسق کو حاصل ہوتی ہے وہ نفس کی صفائی ہے نہ کہ قلب کی صفائی۔ اور نفس کی صفائی سوائے گمراہی کے کچھ نہیں بڑھاتی، اور سوائے نقصان کے اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اور بعض غیبی امور کا کشف جو صفائیِ نفس کے وقت کفار اور اہل فسق کو حاصل ہو جاتا ہے وہ اشتراکِ جس سے مقصود اس جماعت کی خرابی اور نقصان ہے، *بِحَسْبِ مَا نَدَّ اللَّهُ مِنْهَا عَنْ هَذِهِ الْبَلِيَّةِ* *يُحْرِمُ مَنَ سَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالتَّسْلِيمَاتُ وَعَلَى الْيَوْمِ الْكُلِّ (اشہ سبحانہ)*
حضرت سید المرسلین علیہم الصلوٰت والتسلیمات و علی آلہ کے طفیل ہم کو اس بلا سے نجات دے
اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ تکلیفِ شریعی جو بعثت (انبیاء) کی راہ سے ثابت ہوتی ہے وہ کبھی

رحمت ہی ہے، نہ کہ جس طرح تکلیف شرعی کے منکروں یعنی ملحدوں اور زندقوں نے گمان کیا ہے اور تکلیف شرعی کو مصیبت جان کر غیر معقول اور نا پسند قرار دیا ہے اور کہتے ہیں کہ یہ کون سی مہربانی ہے کہ بندوں کو امورِ شاقہ کی تکلیف دی جلتے پھران سے کہا جائے کہ اگر تم اس تکلیف کے مطابق عمل کرو گے تو بہشت میں جاؤ گے اور اگر اس کے خلاف کرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے، ان کو ایسے امور کی کیوں تکلیف دیتے ہیں اور ان کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے کہ کھائیں پیئیں اور سوئیں اور

جس طرح چاہیں اپنے طور پر زندگی بسر کریں ————— (یہ منکرین) بد نصیب

اور بے عقل یہ نہیں جانتے کہ از روئے عقل "شکر منعم" اور اگر نا واجب ہے اور یہ تکلیفات شرعیہ اس شکر کے بجالانے کا بیان ہے۔ لہذا تکلیف (شرعی) عقل کی رو سے بھی واجب ہے۔ اور اسی طرح "نظام عالم" تکلیفات شرعی کے ساتھ وابستہ ہے۔ ————— اگر ہر ایک کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو سوائے

شرارت و فساد کے کچھ ظہور میں نہ آتا اور ہر لوہوس دوسرے کے جان و مال میں دست درازی کرتا اور خباثت و شرارت سے پیش آتا، اس طرح خود بھی ضائع ہوتا اور دوسروں کو ضائع کرتا۔ عِیَازِ اِیَّاهُ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اگر سختی اور شرعی موانع حاصل نہ ہوتے تو معلوم نہیں کہ کس قدر شرارت و فساد ظاہر ہوتا۔ وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ

حَیْوةٌ یَّا اُولِی الْاَلْبَابِ (بقرہ آیت ۱۷۹) اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے (اس ناطق ہے)

اگر چوبِ حاکم نباشد ز پے کد رنگے مست در کعبہ قے
اگر چوبِ حاکم کا ہوتا نہ خوف شرابی تو کعبے میں کر دیتا قے

یا ہم یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ زمین و آسمان اور ہر چیز کا خود مختار مالک ہے اور (تمام) بندے اس سبحانہ کے

مملوک اور غلام ہیں۔ لہذا جو حکم و تصرف وہ ان میں فرماتا ہے وہ عین خیر و صلاح ہے اور ظلم و فساد کی آمیزش سے منزہ و متبرا ہے۔ لَا یَسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ (انبیاء آیت ۲۳) (وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا ہے)

کرا زہرہ آنکہ از بیم تو کشاید زباں جز بہ تسلیم تو

(ترے خوف سے کس کو بہنے حوصلہ کہ تسلیم سے ہٹ کے کھولے زباں)

اگر وہ سب کو دوزخ میں ڈال دے اور دائمی عذاب کا حکم فرمائے تو کسی کو اعتراض کی کیا مجال ہے

اور یہ غیر کی ملک میں تصرف نہیں ہے کہ اس میں ظلم و ستم کا شائبہ ہو۔ برخلاف ہماری املاک کے

جو فی الحقیقت اسی سبحانہ کی املاک ہیں۔ ان املاک میں تمام تصرفات (سولے خان کے جو جائز ہیں)

عین ستم ہیں: کیونکہ صاحب منہج نے بعض مصالح کی بنا پر ان املاک کی نسبت ہماری طرف کر دی ہے لیکن حقیقت میں وہ سب اسی سبحانہ کی ملکیت ہیں۔ لہذا ان میں ہمارا تصرف اسی قدر جائز ہے جس قدر مالک علی الاطلاق (یا کلیہ مالک حق تعالیٰ) نے اس میں تصرف کی اجازت دی اور مباح فرمایا۔

— کیونکہ ان بزرگواروں (یعنی انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات) نے حق جل و علا کے احکام کے بارے میں خبریں دی ہیں، اور جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ سب سچے اور واقعہ کے مطابق ہیں۔

(علمائے احکام) اجتہاد میں ان بزرگوار (پیغمبران) علیہم الصلوٰت والتسلیمات والنجیات سے اگرچہ خطا کو تجویز کی ہے لیکن خطا کے برقرار رکھنے کو ان کے حق میں جائز نہیں رکھا اور فرمایا ہے کہ: ان کو ان کی خطا پر جلدی منبہ کر دیتے ہیں اور ان کی خطا کا تدارک صواب سے کر دیتے ہیں: فَلَا تُعْتَدُ اَدْبَالُكَ الْخَطَا (ابتدایہ خطا کسی گنتی میں نہیں ہے)۔

عقیدہ (۱۳۳)۔ اور قبر کا عذاب خاص طور پر کافروں کے لئے اور بعض گنہگار اہل ایمان کے لئے حق ہے۔ کیونکہ غیر صادق علیہ و علی آلہ الصلوٰت والتسلیمات نے اس کی خبر دی ہے۔

عقیدہ (۱۳۴)۔ اور قبر میں مومنوں اور کافروں سے منکر نکیر کا سوال بھی حق ہے۔ کیونکہ دنیا اور آخرت کے درمیان قبر ایک بزرگ ہے۔ اس کا عذاب بھی ایک وجہ سے دنیاوی عذاب سے مناسبت رکھتا ہے اور انقطاع پذیر (ختم ہونے والا) ہے، اور دوسری وجہ سے اس کو عذاب اخروی کے ساتھ مناسبت ہے کیونکہ وہ حقیقت میں آخرت کے عذابوں میں سے ہے۔ آیت کریمہ: النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (مومن آیت) (وہ صبح و شام آگ (دوزخ) پر پیش کئے جلتے ہیں) نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ (یہ آیت عذاب قبر کے متعلق نازل ہوئی ہے)۔ اور اسی طرح قبر کی رات بھی دو حشیشیں رکھتی ہے،

وہ شخص بہت ہی سعادت مند ہے جس کی لغزشوں اور گناہوں کو کمال کرم اور مہربانی سے فرما دیں اور ہرگز اس سے مواخذہ نہ کریں، اور اگر مقام مواخذہ میں آجائے تو بھی اپنی کمال رحمت سے دنیاوی آلام و مصائب کی تکالیف کو اس کے گناہوں کا کفارہ قرار دیدیں۔ لہذا اگر کچھ باقی رہ جائے تو قبر کی تنگی اور ان تکالیف کو جو اس مقام پر ہیں ان سے کفارہ کر دیں تاکہ پاک و پاکیزہ ہو کر حشر میں مبعوث ہو۔ اور جس کسی کے لئے ایسا نہ کریں اور اس کا مواخذہ آخرت پر چھوڑ دیں تو یہ بھی عین عدل ہے۔ لیکن گنہگاروں اور شرمساروں کے حال پر افسوس ہے۔

— ہاں اگر وہ گنہگار اہل اسلام سے ہے تو اس کا انجام رحمت ہے۔

اور وہ عذاب ابدی سے محفوظ ہے، یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ رَبَّنَا آتِنَا نُورًا وَاعْفِرْ لَنَا انِّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ بِحُرْمَةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَلَاتِهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ انتہا سے ہمارے رب! سید المرسلین علیہ وعلی آلہ وعلیہم الصلوٰتہ والتسلیمات کے طفیل ہمارے نور کو کامل فرما اور ہم کو بخش دے۔ بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

حقیقہ (۱۵) روز قیامت حق ہے۔ اس روز آسمان، ستارے، زمین، پہاڑ، سمندر، حیوان، نباتات اور معدنیات سب کے سب معدوم و ناپید ہو جائیں گے، آسمان شق ہو جائیں گے اور ستارے منتشر ہو کر گر جائیں گے، اور زمین و پہاڑ پر آگندہ ذرات ہو جائیں گے۔ یہ تمام نور مہیوڑا اور فنا کا تعلق نفخہ اولیٰ سے ہے۔ اور نفخہ ثانیہ (دوسرے صوبے) پر لوگ قبروں سے اٹھ کر محشر کی طرف روانہ ہوں گے اور فلاسفہ (یعنی حکما و یونان وغیرہ) آسمانوں، ستاروں کے نیست و نابود ہونے کو نہیں

مانتے اور ان کا فانی اور فاسد ہونا جائز نہیں سمجھتے، وہ ان کو ازلی اور ابدی کہتے ہیں۔ اور اس امر کے باوجود ان میں سے متاخرین اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنے آپ کو زمرہ اہل اسلام میں شمار کرتے ہیں اور اسلام کے بعض احکام بھی بجالانے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہل اسلام ان کی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں اور جرات و دلیری کے ساتھ ان کو مسلمان سمجھتے ہیں۔ اور اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ بعض مسلمان ان لوگوں میں سے بعض کے اسلام کو کامل جانتے ہیں، اور اگر کوئی ان پر طعن و تشنیع کرے تو اس کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ نصوص قطعی کے منکر ہیں اور انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ (تکویر آیات) جب آفتاب بے نور ہو جائے گا اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں گے۔ نیر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ وَأَذْنَتْ لِرَبِّهَا وَحَقَّتْ (انشقاق آیات) جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم سن لے گا اور وہ اسی لائق ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَفُجِعَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا (نبأ آیات) اور آسمان

کھل جائے گا اور اس میں دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے (یعنی پھٹ جائے گا)۔ اس قسم کی مثالیں قرآن مجید میں بکثرت موجود ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ صرف کلمہ شہادت زبان کے اوپر لیتا اسلام میں کافی نہیں ہے، بلکہ ان تمام چیزوں کی تصریح بھی ضروری ہے جن کا بجالانا اور

ان پر عمل کرنا دین کی ضروریات میں سے ہے اور کفر و کافری سے تبرا اور بیزار ہونا بھی ضروری ہے تاکہ اسلام
مصور ہو جائے۔ وَیَذُوقُنَّ عَذَابَ الْاَلْتِمَادِ (اس کے علاوہ بے فائدہ تکلیف اٹھانا ہے)۔

عقبہ (۱۶) اور حساب، میزان (اعمال کا وزن ہونا) اور کپڑا "حق" ہے کہ مخبر صادق علیہ
آ علی ما له الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خبر دی ہے۔ (لیکن) نبوت کے اطوار سے ناواقفیت

کی بنا پر بعض جاہلوں کا ان امور کو بیدار عقل سمجھنا اور جہالت سے متعلقہ کیونکہ نبوت کے اطوار عقل کے اطوار سے
بلا تریں۔ حقیقت میں انبیاء کرام کی سچی خبروں کو عقل کی نظر کے موافق کرنے کی کوشش کرنا حقیقت میں

"طور نبوت" سے انکار ہے، کیونکہ یہاں معاملہ صرف تقلید (ایسا) پر مبنی ہے۔ وہ یہ نہیں
جانتے کہ طور نبوت "طور عقل" کے مخالف ہے، بلکہ "طور عقل" انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تقلید
کی تائید کے بغیر اس عالی مطلب کی طرف ہدایت حاصل نہیں کر سکتی۔ مخالفت دوسری چیز ہے اور رسائی
نہ ہونا دوسری بات ہے۔ کیونکہ مخالفت رسائی کے بعد تصور ہوتی ہے۔

عقبہ (۱۷) اور بہشت و دوزخ موجود ہیں۔ قیامت کے دن حساب کے بعد ایک گروہ بہشت میں
بھیجا جائے گا اور دوسرا گروہ دوزخ میں، اور ان (مومنوں) کے لئے ثواب اور (کفار کے لئے) عذاب دائمی و
ابدی ہو گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں جیسا کہ قطعی اور موکرہ نصوص اس امر پر دلالت کرتے ہیں۔

صاحب نصوص (شیخ محمد الدین ابن عربی) کہتے ہیں کہ سب کا انجام "رحمت" ہے جیسا کہ حق تعالیٰ

نے فرمایا: وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اعراف آیت ۱۵۶) (اور میری رحمت سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے)۔

اور کفار کے لئے دوزخ کا عذاب تین عقبہ (ایک عقبہ اسی برس کی مدت) تک ثابت ہے۔

اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ "آگ ان کے حق میں بڑا اور سلاماٹھندی اور سلامتی والی) ہو جائے گی

جیسا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی۔ اور حق جل و علا کی وعید میں خلافت

کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور وہ (صاحب نصوص) یہ کہتے ہیں کہ اہل دل (صوفیہ) میں سے

کوئی بھی کفار کے دائمی عذاب کی طرف نہیں گیا ہے، اور اس مسئلہ میں یہی وہ زاہد حق سے دور جا پڑے

ہیں، اور انہوں نے یہ نہیں جانا کہ مومنوں اور کافروں کے حق میں وسعت رحمت صرف اسی دنیا

میں مخصوص ہے لیکن آخرت میں کافروں کو رحمت کی بوتل نہیں پہنچے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَنْفَعُ الْيَتِيمَ مِنْ رَوْحِ اَللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (سنت آیت ۹) (بیک اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

سوائے کافروں کے کوئی نایوس (ناامید) نہ ہوگا)۔ جیسا کہ سبحانہ و تعالیٰ نے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ کے بعد فرمایا ہے، اِنَّمَا اتَّخَذَهَا اللَّهُ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ (اعراف آیت ۱۵۶) پھر میں اپنی رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو متقی ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں)۔ شیخ (ابن عربیؒ) نے آیت کے اول حصہ کو تو پڑھ لیا اور آخری حصہ کے عمل کو نہ فرمایا۔

اور جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (اعراف آیت ۵۶) (بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت محسنین کے قریب ہے)۔ نیز آیہ کریمہ فَلَا تَخْشَوْنَ اللّٰهَ مُخْلِْفًا وَعْدًا (سجده آیت ۷۵) (پس ہرگز گمان نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا) بھی وعدہ خلافی کی خصوصیت پر دلالت نہیں کرتی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس جگہ وعدہ خلافی کے نہ ہونے کا اقتصار انحصار اس وجہ سے ہو کہ وعدہ سے مراد رسولوں کی نصرت اور کفار پران کا غلبہ ہے، اور یہ باثبات وعدہ و وعید دونوں کو متضمن ہے یعنی رسولوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید۔ لہذا اس آیت کریمہ میں بھی خلف وعدہ (وعدہ خلافی) کی نفی ہوتی ہے اور خلف وعید کی بھی نفی۔ قَالَ لَئِن مَّسَّحُوْا بِرُءُوْسِهِمْ مِّنْ حٰثِرِ السَّمَاءِ سَآءَ مَا يَصِفُوْنَ (صافات آیت ۱۸) (تمہارا بڑی عزت والا رب ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں)

اور کفار کے لئے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہل دل (صوفیہ) کا اجماع صرف شیخ کا اپنا کشف اور کشف میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے اور خصوصاً وہ کشف جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہو اس لئے اس کا کچھ اعتبار و اعتماد نہیں ہے۔

عقیدہ (۱۸): فرشتے خداوند جل سلطانہ کے بندے ہیں جو گناہوں سے پاک اور خطا و زیان سے محفوظ ہیں (جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے) لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُنٰهَوْنَ (مجادلہ آیت ۱۸) (فرشتے اللہ کے حکم سے نافرمان نہیں ہوتے اور جو اللہ نے منع کیا وہ کرتے ہیں)۔

مَا يُؤْمَرُونَ (محریم آیت) اللہ تعالیٰ جو حکم ان کو کرتا ہے وہ اس میں اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ہوتا ہے۔ وہ کھانے پینے سے اور مردوزن ہونے سے منزه اور مبرا ہیں۔ قرآن مجید میں ان کے لئے مذکر ضمیروں کا استعمال اس اعتبار سے ہے کہ صنفِ ذکور کو صنفِ نساء کے مقابلہ میں شرف حاصل ہے چنانچہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے بھی مذکر ضمیروں کا استعمال کیا ہے۔

اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے بعض (فرشتوں) کو رسالت کے لئے منتخب کیا ہے جیسا کہ بعض انسانوں کو رسالت کی دولت سے مشرف فرمایا ہے (جیسا کہ ارشاد ہے) **أَلَلَّهِ يُصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ** (حج آیت) اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے بعض کو رسالت کے لئے منتخب فرماتا ہے۔

جمہور علماء اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ خاص انسان خاص فرشتوں سے افضل ہیں۔ لہذا امام غزالیؒ اور امام احررینؒ اور صاحب فتوحات مکیہ اس بات کے قائل ہیں کہ خاص فرشتے خاص انسانوں سے افضل ہیں۔ اور جو کچھ اس فقیر ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ فرشتہ کی ولایت نبی علیہم الصلوٰۃ

والسلام کی ولایت سے افضل ہے لیکن نبوت و رسالت میں نبی کے لئے ایک ایسا درجہ ہے کہ جس تک فرشتہ نہیں پہنچتا ہے اور وہ درجہ عنصر خاک کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے جو بشر کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور اس فقیر پر یہ بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ کمالاتِ ولایت و کمالاتِ نبوت کے مقابلہ میں کسی گنتی میں نہیں ہیں، کاش کہ ان کے درمیان وہ نسبت ہی ہوتی جو قطرہ کو دریائے محیط کے ساتھ ہے۔ مگر ایسا نہیں

ہے وہ فضیلت جو نبی کو نبوت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے وہ اس فضیلت سے کئی گنا زائد ہے جو ولایت کی وجہ سے حاصل ہو، لہذا افضلیت مطلقاً انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کا حصہ ہے اور جزئی فضیلت ملائکہ کرام کے لئے ہے۔ پس درست وہی ہے جو علمائے کرام شکر اللہ تعالیٰ علیہم نے فرمایا ہے۔ اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے درجات میں کسی نبی کے درجے تک کوئی ولی نہیں پہنچتا بلکہ اس ولی کا سر ہمیشہ اس نبی کے قدم کے نیچے ہوتا ہے۔

جانتا چاہئے کہ ان مسائل میں سے ہر ایک مسئلہ میں جن میں علماء اور صوفیاء کا اختلاف ہے، جب اسی طرح صغور اور ملاحظہ کیا جاتا ہے تو حق علماء کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کا لازم ہے کہ علماء کی نظر نے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی متابعت کے باعث نبوت کے کمالات اور اس کے علوم میں غور کیا

اور صوفیہ کی نظر ولایت کے کمالات اور اس کے معارف تک محدود رہتی ہے۔ لہذا وہ علم جو نبوت کی مشکوٰۃ سے حاصل کیا جائے وہ لازماً اس علم سے جو مرتبہ ولایت سے اخذ کیا گیا ہو کئی درجے زیادہ صحیح اور حق ہوگا۔ ان معارف میں سے بعض کی تحقیق اس مکتوب (دفتر اول مکتوبات) میں جو فرزند ارشدی (خواجہ محمد صادق) کے نام طریقہ کے بیان میں لکھا ہے درج ہو چکی ہے، اگر کچھ دقت اور پوشیدگی رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع کریں۔

صغیرہ (۱۹) ایمان سے مراد جو کچھ دینی امور سے متعلق ضرورت اور توازن کے طریق پر ہم تک پہنچا ہے اس کی دل سے تصدیق کرنا ہے اور زبان سے اقرار کرنا بھی ایمان کا رکن ہے جیسا کہ (علمائے کہا ہے) کما س کے بغیر ایمان کے منہدم ہونے کا احتمال ہے، اور اس علامت کی تصدیق کفر پر تبری کرنا اور کافری سے اور جو کچھ کافری کے لوازم و خصائص ہیں جیسے زنا، کابانہ، عداوت اور اس کے مانند وغیرہ سے بیزاری کا اظہار کرنا ہے۔ اشر سجانہ کی پناہ! اگر کوئی اس تصدیق کا بھی دعویٰ کرے اور کفر سے تبری کا

اظہار نہ کرے تو وہ دو دنیوں کا تصدیق کرنے والا بن جائے گا جو ارتداد کے داغ سے داغدار ہوگا اور حقیقت میں اس کا حکم منافق کے حکم میں ہے۔ **بَلَا إِلَىٰ هُوَ وَلَا إِلَىٰ هُوَ** (نسا، آیت ۱۲۳) (نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے) لہذا ایمان کی تحقیق میں کفر سے تبری (بیزاری) کا اظہار نہ کرنے بغیر چارہ نہیں۔ تبری کا ادنیٰ درجہ دل سے بیزاری کرنا ہے۔ اور تبری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل اور جسم دونوں سے ہو، اور تبری سے مراد حق جل و علا کے دشمنوں کے ساتھ دشمنی رکھنا ہے۔ خواہ دشمنی قلب سے ہو جبکہ ان سے نقصان پہنچنے کا خوف ہو، خواہ دل اور جسم دونوں سے ہو جبکہ ان سے ضرر کا خوف نہ ہو۔

آیہ کریمہ: **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** (توبہ، آیت ۳) (اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ) اس مضمون کی تائید کرتی ہے۔

کیونکہ خدائے عزوجل کی محبت اور اس کے رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰات والتسلیمات کی محبت ان کے دشمنوں کی دشمنی کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتی۔ اس جگہ یہ مصرع صادق آتا ہے۔

تولی بے تبری نیست ممکن (حُبِّ حق کے واسطے بغیر سے نفرت ضرور)

شیعہ (قرنہ) نے جو یہ قاعدہ اہل بیت کی محبت اور دوستی میں جاری کیا ہے اور تینوں خلفاء اور

اور ان کے علاوہ اکثر صحابہ پر تبری کرنا اہل بیت کی دوستی کی شرط قرار دیا ہے نامناسب ہے، کیونکہ

ذاتی نسبت سے نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو وہ صفات کی طرف منسوب ہے، اور اگر عقاب و عتاب (عذاب و غصہ) ہے تو افعال کی طرف راجع ہے، لہذا روزِ جزا کا دائمی عذاب ان کے گناہوں کی سزا نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر رکھا ہے۔

جاننا چاہئے کہ جب کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت تحقیق ہو چکی تو لازماً رحمت و رافت جو صفاتِ جمال میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی، اور رحمت کی صفت ذاتی عداوت کو دور نہیں کرے گی۔ کیونکہ جو چیز ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ قوی اور بلند ہے، لہذا مفضلہ صفت (رحمت) کے تقاضے مقضائے ذات کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ اور یہ جو حدیث قدسی میں آیا ہے: **سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَىٰ غَضَبِي**

(میری رحمت پر سبقت لے گئی)۔ اس غضب سے مراد غضبِ صفاتی سمجھنا چاہئے جو گنہگار مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضبِ ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

سوال: اگر یہ کہا جائے کہ دنیا میں کافروں کو رحمت سے حصہ حاصل ہے، جیسا کہ تو نے مندرجہ بالا عبارت میں تحقیق کی ہے تو پھر دنیا میں رحمت کی صفت نے ذاتی عداوت کو کیسے دور کر دیا؟

جواب: میں کہتا ہوں کہ دنیا میں خاص کافروں کو رحمت کا حاصل ہونا ظاہری طور پر اور صورت کے اعتبار سے ہے لیکن حقیقت میں وہ ان کے حق میں استدراج اور کید (دھوکہ) ہے، ان کے حق میں آیت کریمہ: **أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هُمْ فِي مَنِّ مَالٍ وَبَنِينَ نَسِيعٍ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ** (مومنوں آیت ۵۵) کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم مال اور اولاد میں جو ان کو ترقی دے رہے ہیں تو اس سے ان کو ذمہ پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ ان کو اس (حکمت) کا شعور نہیں ہے)۔

اور آیت کریمہ: **سَنَسُدُّ رِجْمَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ لَا يَخْلِفُونَ وَأُمَلِي لَهُمْ آتٍ كِيدِي مَتِينٍ** (اعراف آیت ۱۸۲-۱۸۳) ہم ان کو (جہنم کی طرف) اس طرح آہستہ آہستہ جاتے ہیں جس کی ان کو خبر نہیں ہوتی

اور ہم ان کو جہنم دیتے ہیں بیشک ہماری تدبیر بہت مضبوط ہے) ان ہی معنی پر شاہد ہیں۔ پس سمجھ لو۔

فائدہ جلیل: روزِ جزا کا دائمی عذاب کفر کی جزا (بدلہ) ہے اور بس۔ اگر پوچھیں کہ ایک شخص ایمان کے باوجود کفر کی رسمیں بجالاتا اور اہل کفر کی رسموں کی تعظیم کرتا ہے، اور علماء اس پر کفر کا حکم لگائیں

عہ بخاری و مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

اور مرتد سمجھے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان اس بلا میں مبتلا ہیں۔ لہذا چاہئے کہ علماء کے فتوے کے بموجب وہ شخص آخرت کی عابدی عذاب میں گرفتار ہو، حالانکہ اخبارِ صالح (صحیح احادیث) میں آچکلہ ہے کہ جس شخص کے دل میں زندہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو دفعِ خ سے باہر نکال لیں گے اور دائمی عذاب میں نہ رہنے دیں گے۔ آپ کے نزدیک اس مسئلہ کی کیا تحقیق ہے؟ — (جواب) میں کہتا ہوں اگر وہ شخص کافر محض ہے تو دائمی عذاب اس کا نصیب ہے، عیاذُ اللہِ بجمہانہ منہ (اللہ سبحانہ کی اس سے پناہ)۔ اور اگر کفر کی رسومات بجالانے کے باوجود ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے تو وہ دوزخ کے عذاب میں مبتلا تو ہوگا لیکن اس ذرہ برابر ایمان کی برکت سے امید ہے کہ ابدی عذاب سے خلاصی ہو جائے گی اور دائمی گرفتاری سے نجات پالے گا۔

فقیر ایک مرتبہ ایک شخص کی مزاج پرسی کے لئے گیا جس کا معاملہ نزع و موت کے قریب پہنچ چکا تھا۔ جب فقیر اس کے حال پر متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ اس کا قلب "ظلماتِ بسیار" بہت زیادہ ظلمتوں میں گھرا ہوا ہے، ہر چند ان ظلمتوں کے دور کرنے میں متوجہ ہوا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر بہت زیادہ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ ظلمات و تاریکیاں "صفاتِ کفر" کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں، اور یہ کہ درتیں اس کے کفر اور اہل کفر کے ساتھ دوستی کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں، اور توجہ کرنے سے یہ ظلمتیں دور نہیں ہو سکتیں، بلکہ ان ظلمات کا تعلق دوزخ کے عذاب پر وابستہ ہے جو کفر کی جزا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ذرہ برابر ایمان بھی رکھتا ہے جس کی

ذرہ برابر ایمان کی برکت

برکت سے آخر کار اس کو دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ اور جب اس کے حال کو مشاہدہ کر لیا تو اب دل میں آیا کہ اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے یا نہیں؟ توجہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ نماز ادا کرنی چاہئے۔ لہذا وہ مسلمان جو ایمان کے باوجود اہل کفر کی رسومات بجاتے ہیں اور (ہنود کے) تہواروں کے ایام کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی نمازِ جنازہ پڑھنی چاہئے اور ان کو کفار کے ساتھ نہیں ملا دینا چاہئے جیسا کہ آجکل علماء کا معمول ہے۔ اور امید وارد ہے کہ آخر کار ایمان کی برکت سے دائمی عذاب سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

پس معلوم ہوا کہ اہل کفر کے لئے عفو اور مغفرت نہیں ہے۔ (آیہ تکریمہ) اِنَّ اللہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ (نساء آیت ۴۸) بیشک اللہ اس کو نہیں بخشنے گا جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا، اور اگر وہ محض کافر ہے تو عذابِ ابدی اس کے کفر کی جزا ہے۔ اور اگر ذرہ برابر بھی ایمان

رکھتا ہے تو اس کی جزا عذابِ بوقتِ رقتی عذاب ہے اور باقی تمام کبیرہ گناہوں کو اگر حق سبحانہ و تعالیٰ چاہے تو بخش دے اور چاہے عذاب دے۔ فقیر کے نزدیک "عذابِ دوزخ" خواہ وقتی ہو یا دائمی، کفر اور صفاتِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ آگے تحقیق سے معلوم ہوگا۔ اور کبیرہ گناہ والے جن کے گناہ توبہ، شفاعت یا صرف عفو و احسان کے ساتھ مغفرت کے قابل نہیں ہوتے، یا جن کبیرہ گناہوں کا کفارہ دنیاوی تکالیف یا سختیوں اور سکراتِ موت سے نہیں ہوا، امید ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض کو تیر کا عذاب کفایت کرے گا اور بعض کو لے قبر کی سعی تک باوجود توبہ کا خوف اور اس دن کی تکالیف کافی ہوں گی اور ان کے گناہوں میں سے کوئی گناہ باقی نہیں چھوڑیں گے جس کی وجہ سے دوزخ کے عذاب کے مستحق ہو چاہے آیہ کریمہ: **الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمَنُ** (انعام آیت ۸۲) (جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کرتے ان کے لئے امن و سلامتی ہے)۔ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے۔ کیونکہ یہاں ظلم مراد شرک ہے۔ **وَاللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ بِحَقَائِقِ الْأُمُورِ** (کلہا اور اللہ سبحانہ ہی تمام امور کے حقائق کو بہتر جانتا ہے)۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ کفر کے علاوہ بعض گناہوں کی سزا بھی عذابِ دوزخ آتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَحِزًّا أَوْ فَجْرًا أَوْ جَهْدًا فَخَالِدًا فِيهَا لَا يُغْفَرُ لَهُ مَا فَعَلَ إِلَّا لِمَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِمَا كَفَرَ** (احادیث شریفہ) میں ہے کہ جو شخص قصداً ایک نماز فرض قضا کرے تو اس کو ایک حبسہ (یعنی ہفتی سال) دوزخ میں عذاب دیا جائے گا۔ لہذا دوزخ کا عذاب صرف کافروں کے لئے ہی مخصوص نہ رہا (اور یہ کہنے ہو کہ دوزخ کا عذاب کافروں کے لئے ہی مخصوص ہے)۔ (جواب میں) میں کہتا ہوں کہ یہ عذاب اس قاتل کے لئے مخصوص ہے جو قتل کو حلال جانے کیونکہ قتل کو حلال جانے والا کافر ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے بیان کیا ہے۔ اور کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں کے لئے بھی دوزخ کا عذاب آیا ہے۔ وہ بھی

لہ پوری آیت ملاحظہ ہو جو موجودہ حالات میں نہایت اہم اور قابلِ غور ہے: **وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَحِزًّا أَوْ فَجْرًا أَوْ جَهْدًا فَخَالِدًا فِيهَا وَعَصَبَ لِنَفْسِهِ إِنَّهُ لَأَبِئَرُ مِنْ نَفْسِهِ إِذَا هُوَ فِيهَا إِلَّا لِمَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِمَا كَفَرَ** (سورہ نسا آیت ۹۳) اور جو شخص کسی مؤمن کو قصداً قتل کرے پس اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہو اور اس پر لعنت کرے گا اور اس شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب تیار کیا ہوا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا: "خبردار میرے بعد کفار کی طرح گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔۔۔ تمہارے خون اور تمہارے مال تم میں ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تمہارا بدن (یوم عرفہ) تمہارے اس پیٹے (ذی الحجہ) میں تمہارے"۔

صفات کفر کے ثابتہ سے خالی نہیں ہے جیسا کہ اس گناہ کو معمولی سمجھنا اور اس کے ارتکاب کے وقت بے پروائی کرنا اور شرعی اوامر و نواہی کو سیکار و خوار سمجھنا وغیرہ وغیرہ۔ اور خبر (حدیث) میں ہے: شَفَاعَتِي لِوَهْلِ الْكِبَاثِرِ مِنْ اُمَّتِي (میری شفاعت میری امت کے کیسے گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی)۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: اُمَّتِي اُمَّةٌ مَرَجُوْهُمُ لِحَدَاثِ ابْلِهَا فِي الْاٰخِرَةِ (میری امت امتِ مرحومہ (رحم کی ہوئی) ہے اس کے لئے آخرت میں عذاب نہیں ہے)۔ اور آیہ کریمہ: الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُوْلٰئِكَ لَهُمْ اَلْحَادِثُ الْاِيْمَانِ (انعام آیت ۸۲) جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے ملوث نہیں کیا ان ہی کے لئے اس سے بھی اس معنی کی تائید کرتی ہے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور مشرکوں کے بچوں کے احوال، اور پہاڑوں پر رہنے والے اور پیروں کے زمانہ قدرت کے مشرکوں کا حال، اس مکتوب (دفعہ اول مکتوب ۲۵۹) میں جو فرزندِ محمد سعید کے نام تحریر ہوا ہے مفصل مذکور ہو چکا ہے وہاں ملاحظہ کر لیں۔

اور ایمان کے کم و زیادہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم کو فی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: الْاِيْمَانُ لَا يَزِيْدُ وَلَا يَنْقُصُ (ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم)۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَزِيْدُ وَيَنْقُصُ (ایمان زیادہ اور کم ہوتا ہے)۔ اور اس میں شک نہیں کیا ایمان سے مراد تصدیق اور یقین قلبی ہے جس میں زیادتی و کمی کی گنجائش نہیں، لہذا جو ایمان کہ کمی و زیادتی کو تسلیم کرے وہ دائرہ ظن میں داخل ہے نہ کہ یقین کے درجہ میں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اعمالِ صالحہ کا بجالانا اس یقین کو جلا دیتا ہے اور غیر صالح اعمال کا بجالانا یقین کو مگر کر دیتا ہے۔ لہذا (ایمان کی) کمی و زیادتی اعمال کے اعتبار سے اس یقین کو روشن و جلا کرنے میں ثابت ہوتی ہے نہ کہ نفس یقین میں۔ ایک جماعت جس نے یقین کو جلا یا قتلہ اور روشن معلوم کیا تو اس نے اس یقین کی نسبت جو جلا یا قتلہ اور روشن نہیں، زیادہ کہہ دیا۔ گویا بعض لوگوں نے غیر متجلی یقین کو یقین ہی نہیں سمجھا اور انہی سے بعض نے متجلی کو یقین جان کر غیر متجلی کو ناقص کہہ دیا۔ اور دوسرے گروہ نے جو نظر کی تیزی اور بصیرت رکھتے تھے دیکھا کہ یہ کمی و زیادتی یقین کی صفات کی طرف راجع ہے نہ کہ نفس یقین کی طرف۔

۱۔ اس حدیث کو ترمذی، ابوداؤد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابن ماجہ نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے۔
۲۔ اس حدیث کو خطیب اور ابن الجار نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

ایسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ "تصدیقِ ایمانی" سے مراد ان کے نزدیک تصدیقِ منطقی ہے جو ظن اور یقین دونوں کو شامل ہے، اس صورت میں "نفسِ ایمان" میں کمی و زیادتی کی گنجائش ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ اس جگہ تصدیق سے مراد یقین و اذعانِ قلبی (دل سے قبول کر لینا ہے) نہ کہ عام معنی میں جس میں ظن بھی شامل ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں: "أَنَا مُؤْمِنٌ حَقًّا (میں یقیناً مومن ہوں)۔ اور امام شافعی فرماتے ہیں: "أَنَا مُؤْمِنٌ إِتِّسَاءَ اللَّهِ تَعَالَى (میں مومن ہوں اگر اللہ تعالیٰ چاہے)۔ حقیقت میں ان کا اختلاف نزلِ لفظی ہے۔ مذہبِ اول (پہلے قول) کا تعلق ایمانِ حال سے ہے، اور مذہبِ ثانی (دوسرے قول) کا تعلق مآل و عاقبتِ کار سے ہے، لیکن صورتِ اشتباہ سے پرہیز کرنا اولیٰ و احوط ہے۔ لَمَّا لَا يَخْفَى عَلَى الْمُتَّصِفِ جِيسَا كَه مُنْصَفِ لُؤْكَوْا پَرِوْشِيْه نَهِيْه (ہے)۔

حقیقہ (۲۰)۔ اور اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں اور ان سے بکثرت خوارقِ عادات واقع ہونے کی وجہ سے ان کی بیباتِ عادتِ مستمرہ (دائمی) بن گئی ہے، اور کرامات کا انکار کرنے والا علمِ عادی اور ضرورت کا انکار کرنے والا ہے۔ نبی کا معجزہ نبوت کے دعوے سے مقرون (لا بلا ہوا) ہوتا ہے، اور ولی کی کرامت اس معنی میں خالی ہے بلکہ اس نبی کی پیروی کے اعتراف کے ساتھ مقرون (ملی ہوئی) ہوتی ہے۔ فَلَا اِشْتِبَاهَ بَيْنَ الْمُعْجِزَةِ وَالْكَرَامَةِ لَمَّا زَعَمَ الْمُتَكْرِمُونَ (لہذا معجزہ اور کرامت کے درمیان کوئی اشتباہ نہیں ہے جیسا کہ منکروں نے گمان کیا ہے)۔

حقیقہ (۲۱)۔ اور خلفائے راشدین کے درمیان افضلیت کی ترتیبِ خلافت کی ترتیب کے مطابق لیکن شیخین کی افضلیت صحابہ اور تابعین کے اجراع سے ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اکابرینِ ائمہ کی ایک جماعت جن میں امام شافعی بھی ہیں جنہوں نے اس بات کو نقل کیا ہے کہ "شیخ الامام ابو الحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت پھر حضرت عمرؓ کی فضیلت بقیہ تمام امت پر قطعی ہے"۔ اور امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ حضرت علیؓ کا یہ قول ان کی خلافت و مملکت کے زمانے میں آپ کے متبعین ہیں

امام ابو الحسن اشعری فرقة اشاعرة کے بانی اور علمِ نظام کے مجدد تھے۔ ۲۶۰ھ بصرہ میں پیدا ہوئے۔ چالیس سال کی عمر تک آپ فرقة معتزلہ کے سرگرم مددگار رہے۔ بعد میں فقہ شافعی کی حدود میں رہ کر آپ نے وہی مسائل کو فلسفیانہ استدلال کے ساتھ مستحکم کیا۔ تقریباً تین سو کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے مفسدین میں بڑے بڑے امام پیدا ہوئے مثلاً باقلانی، ابن قرق، سخاوی، القشیری، ابونبی اور امام غزالی ہیں۔ ۳۲۴ھ بغداد میں آپ کا وصال ہوا۔

۴۴۸ھ (دکھت الطون) ۳۲۴ھ بغداد میں احمد الذہبی المتوفی ۴۴۸ھ (دکھت الطون)

ایک جم غفیر کے سامنے تو اتر کے ساتھ منقول ہے کہ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرُ اَفْضَلُ الْاُمَّةِ (ابوبکر اور عمر تمام امت میں افضل ہیں)۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس روایت کو اسی سے زیادہ راویوں نے حضرت علی

کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ برفقیوں کا بڑا کرے یہ کیسے جاہل ہیں۔ اور بخاری نے ان (حضرت علیؑ) سے روایت کی ہے کہ انھوں نے

قَرَأَ بِاِحْسَانٍ بَعْدَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ اَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ رَجُلٌ اٰخَرٌ فَقَالَ ابْنَةُ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِيَّةِ ثُمَّ اَنْتَ فَقَالَ اَمَّا اَنَا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ (نبی صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں میں بہتر حضرت ابوبکر پھر حضرت عمرؓ ہیں پھر ایک اور شخص۔ (اس پر آپ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ۔) اس بات پر حضرت علیؑ نے فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک فرد ہوں۔

امام ذہبی نے حضرت علیؑ سے بسند صحیح روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ لوگ مجھے ان دونوں (شیخین) پر فضیلت دیتے ہیں، لہذا جو بھی مجھ کو ان پر فضیلت دیتا ہے وہ

وہ مفتری ہے اور اس کے لئے وہ نمر ہے جو ایک مفتری کی ہوتی ہے۔ اور دارقطنی نے آپ (حضرت علیؑ) سے روایت کی ہے کہ میں جس کو پاؤں گا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پر مجھے فضیلت

دیتا ہے تو میں اس کو اتنے کوڑے لگاؤں گا جتنے ایک مفتری کو لگنے چاہئیں۔ اس قسم کی اور بہت سی روایتیں خود حضرت علیؑ سے اور آپ کے علاوہ دیگر صحابہ کرامؓ سے اس کثرت اور تواتر سے

آئی ہیں جس میں کسی کو انکار کی مجال نہیں۔ حتیٰ کہ عبدالرزاق جو اکابر شیعوں سے ہے کہتا ہے کہ اَفْضَلُ الشَّيْخَيْنِ بِتَفْضِيلِ عَلِيٍّ اِيَّاَهُمَا عَلٰى نَفْسِهِ وَكَالَمَا اَفْضَلْتَهُمَا كَفَىٰ بِي وَرَدًا اَنَّ اَحِبَّ

ثُمَّ اَخَالَفَهُ (میں شیخین کو اس لئے فضیلت دیتا ہوں کہ خود حضرت علیؑ نے اپنے اوپر ان کو فضیلت دی ہے اور میں ان (شیخین) کو کبھی فضیلت نہ دیتا میرے نزدیک یہ گناہ ہے کہ میں ان (حضرت علیؑ) سے محبت کا دعویٰ کروں

اور پھر ان (کے اقوال) کی مخالفت کروں)۔ یہ سب کچھ صواعق سے لیا گیا ہے۔

لیکن اب رہی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر فضیلت

لَهُ الصَّوَاعِقُ الْمَحْرَقَةُ فِي الرَّدِّ عَلَى اَهْلِ الْبِدْعِ وَالزَّمْدَقَةُ" یہ امام علامہ فقیہ محدث شہاب الدین احمد ابن حجر البیہقی المکی کی تصنیف ہے۔

اور ان میں سے ایک طاعت کا نام بھی لیا گیا ہے۔

سواکثر علمائے اہل سنت اس مسلک پر ہیں کہ شیخین کے بعد حضرت عثمان افضل ہیں پھر ان کے بعد حضرت علیؑ اور ائمہ اربعہ مجتہدین کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور بعض لوگوں نے حضرت عثمانؑ کی فضیلت کے بارے میں امام مالک سے جو توقف نقل کیا ہے، اس کے متعلق قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ امام مالک نے اس توقف سے حضرت عثمانؑ کی فضیلت کی طرف رجوع کر لیا ہے۔ اور قرطبیؒ نے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہی اصح ہے۔ اور اسی طرح وہ توقف جو بعض نے امام اعظم رحمہ اللہ کی اس عبارت سے سمجھا ہے کہ مِنْ عَلَامَاتِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ تَفْضِيلُ الشَّيْخَيْنِ وَحُبُّهُمَا الْمُحْتَمَلِينَ (اہل سنت وجماعت کی علامت میں سے یہ بھی ہے کہ شیخین کو فضیلت دی جائے اور ختین ^{دونوں} حضرت عثمانؑ و حضرت علیؑ سے محبت کی جائے)۔

اس فقیر کے نزدیک اس عبارت کے اختیار کرنے میں ایک دوسرا محل ہے کہ حضرات ختین کی خلافت کے زمانے میں بہت زیادہ فتنے و فساد پیدا ہو گئے تھے جس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بہت کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے امام (ابو حنیفہؒ) نے اس بات کو مد نظر رکھ کر ان کے حق میں محبت کا لفظ اختیار کیا ہے اور ان کی دوستی کو علامات اہل سنت سے قرار دیا ہے، بغیر اس امر کے کہ کسی قسم کا توقف ملحوظ ہو، اور کیسے توقف ہو سکتا ہے کیونکہ حقیقوں کی کتابیں ایسے مضامین سے بھری پڑی ہیں کہ ان (خلفائے راشدین) کی فضیلت ان کی ترتیب ترتیب خلافت کے مطابق ہے۔

مختصر یہ کہ شیخین کی فضیلت یقینی ہے اور حضرت عثمانؑ کی فضیلت ان سے کم درجہ کی ہے۔ لیکن زیادہ احتیاط اسی میں ہے کہ حضرت عثمانؑ کی فضیلت کے منکر کو بلکہ شیخین کی فضیلت کے منکر کے لئے بھی ہم کفر کا حکم نہ لگائیں البتہ ان کو بدعتی و گمراہ جانیں، کیونکہ ان کی تکفیر میں علماء کا اختلاف ہے اور اس اجماع کے قطع ہونے میں بہت قیل و قال ہے، اس کا منکر یہ نصیب یزید کا ساتھی ہے، اسی احتیاط کی بنا پر اس (یزید کے لعن طعن کرنے میں توقف کیا ہے۔ اور وہ ایذا جو حضرت یزید علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلامات کو خلفائے راشدین کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے وہ ایسی ہی ہے جیسی کہ حضرت ابابکرؓ اور حضرت امام حسنؓ و امام حسینؓ کو ایذا رسانی کی جہت سے پہنچی ہے۔

لہ یعنی فقہ کے چاروں امام حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ

پس حضرت علیؑ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اللّٰهُ اَللّٰهُ فِيْ اَصْحَابِيْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا
 مِنْ بَعْدِيْ فَمَنْ اَحْبَبَهُمْ فَيُحِبِّيْ اَحْبَبْتَهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَيَبْغِضْنِيْ اَبْغَضْتَهُمْ وَمَنْ اَذَاهُمْ
 فَقَدْ اَذَانِيْ وَمَنْ اَذَانِيْ فَقَدْ اَذَى اللّٰهِ وَمَنْ اَذَى اللّٰهِ فَيُؤْسِيْكَ اَنْ يَّاخُذَهُ (میرے اصحاب کے
 بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو میرے بعد ان کو نشانہ (ملامت) نہ بناؤ۔ جس نے ان کو دوست رکھا اس نے گویا
 میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا۔ اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے گویا میری دشمنی کی وجہ سے
 ان سے بغض رکھا۔ اور جس نے ان کو ایذا دی اس نے گویا مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے گویا
 اللہ تعالیٰ کو ایذا دی (یعنی اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا) اور جس نے اللہ تعالیٰ (رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو ایذا دی تو میرے
 وہ (اللہ تعالیٰ) اس سے مواخذہ کرے گا۔) اور اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ
 يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ كَعْتَبْتُهُمْ اَللّٰهُ فِيْ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (احزاب آیت ۵۷) (بیشک جو لوگ اللہ اور
 اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں اللہ کی لعنت ہے)۔

اور جو کچھ مولانا سعد الدین نے شرح عقائد نسفی میں اس فضیلت کے بارے میں انصاف
 سمجھا ہے وہ انصاف سے دور ہے اور جو تردید انھوں نے کی ہے وہ سراسر لاج حاصل ہے، کیونکہ علماء کے
 نزدیک یہ بات مقرر ہے کہ اس جگہ افضلیت سے وہ مراد ہے جو خدا کے جل و علا کے نزدیک کثرت
 ثواب کے اعتبار سے ہے، نہ کہ وہ افضلیت جو فضائل و مناقب بکثرت ظاہر ہونے کے اعتبار سے ہو کیونکہ
 ایسی فضیلت عقلمندوں کے نزدیک اعتبار کے لائق ہے۔ اور سلف صحابہ و تابعین نے جس قدر
 فضائل و مناقب حضرت امیرؑ کے نقل کئے ہیں وہ اور کسی صحابی کی نسبت منقول نہیں
 حتیٰ کہ امام احمدؒ نے فرمایا: جو فضائل حضرت علیؑ کے بارے میں آتے ہیں وہ کسی اور صحابی کی نسبت نہیں آتے۔
 اس کے باوجود وہ تینوں خلفاء کی فضیلت کے بارے میں حکم کرتے ہیں۔ پس
 معلوم ہوا کہ افضلیت کی وجہ ان فضائل و مناقب کے علاوہ کچھ اور ہے، اور اس افضلیت کی اطلاع
 دولت وحی کے مشاہدہ کرنے والوں کو میسر ہے جنہوں نے صریح طور پر یا قرآن سے معلوم کیا ہے اور
 وہ پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام کے صحابہؓ ہیں۔ ابداً جو کچھ کہ شارح عقائد نسفی
 نے بیان کیا ہے کہ افضلیت سے مراد کثرت ثواب ہے تو توقف کی گنجائش ساقط ہے کیونکہ توقف کئے

۱۔ اس حدیث کو ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن مغفلؓ سے روایت کیا۔

اس وقت کی گنجائش ہوتی ہے جبکہ اس افضلیت کو براہِ حق یا دلالت معلوم نہ کر لیا ہو۔ اور جب معلوم کر لیا
تو پھر توقف کیوں۔ اور اگر معلوم نہیں کیا تو افضلیت کا حکم کیوں کریں۔ اور جو شخص سب کو برابر

سمجھتا ہے اور ایک دوسرے پر افضلیت دینا بیکار سمجھتا ہے وہ فضول اور لاعامل ہے۔ وہ عجیب

اجتن ہے جو اہل حق کے اجلع کو فضول و بیکار سمجھتا ہے۔ شاید فضل کا لفظ اس کو فضولی کی طرف

لے گیا ہے۔ اور جو کچھ صاحب فتوحات بیکہ کہتے ہیں کہ ان کی خلافت کی ترتیب کا

سبب ان کی عمروں کی مدتوں سے ہے۔ (یہ بات) ان کی فضیلت میں مساوات پر دلالت نہیں کرتی۔

کیونکہ خلافت کا معاملہ دوسرا ہے اور افضلیت کی بحث دوسری۔ اور اگر یہ بات تسلیم

کر لی جائے تو یہ اور اس قسم کی دوسری باتیں جو ان شیخ اکبر کی شطیحات سے ہیں ان کی شان کے لائق

نہیں ہیں، ان کے اکثر کشف معارف جو اہل سنت کے علوم سے جدا واقع ہوئے ہیں وہ صواب سے

دور ہیں، لہذا ایسی باتوں کی متابعت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل بیمار ہے یا مقلد محض ہے۔

اور صحابہ کے درمیان جو طوائفی جھگڑے واقع ہوئے ان کی اچھے معنوں میں تاویل کرنی چاہئے

اور نفسانی خواہش و تعصب سے دور رکھنا چاہئے۔ تقاضائی حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کی افراطِ محبت کے باوجود فرماتے ہیں "جو مخالقات و محاربات (جنگِ جہاد) ان (صحابہ) کے درمیان

واقع ہوئے ہیں وہ خلافت کا نزاع نہ تھا بلکہ خطائے اجتہادی کے سبب سے تھا۔

اور اس (شرح عقائد) کے حاشیہ خیالی میں ہے کہ حضرت معاویہ اور ان کے لشکر نے حضرت علی (ع) کی

اطاعت سے بغاوت کی اور ساتھ ہی اس امر کا اعتراف بھی کیا کہ وہ (حضرت علی) تمام اہل زمانہ سے

افضل ہیں اور وہ امامت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک شبہ کی وجہ سے، کہ حضرت علی کا حضرت

عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلوں سے قصاص نہ لینا تھا۔ اور حاشیہ قرہ

کمال الدین اسماعیل میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "ہمارے جن بھائیوں نے

ہمارے خلاف بغاوت کی وہ ناسق و کافر نہیں ہیں کیونکہ ان کے لئے تاویل ہے۔" اور

اس میں شک نہیں کہ خطائے اجتہادی ملامت اور طعن و تشنیع سے بہت دور ہے۔

حضرت خیر البشر علیہ وعلی الصلوٰت والتحیات کے حقوقِ صحبت کی رعایت کر کے تمام

صحابہ کرام کو نیکی کے ساتھ یاد کرنا چاہئے اور پیغمبر علیہ وعلی الصلوٰت والتحیات کی دوستی کا

سلہ اند بن موسیٰ خیالی کے نام سے ستمبر میں ۱۳۸۶ھ میں وفات پائی۔ (کشف الظنون)

وجہ سے ان کو دوست رکھنا چاہئے۔۔۔ کیونکہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
 مَنْ أَحَبَّهُمْ فَحَبِبِي أَحِبَّهُمْ وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِئْسَ عَصِيٌّ أَبْغَضَهُمْ (جس نے ان کو محبت سے
 دوست رکھا اس نے میری محبت کی وجہ سے ان کو دوست رکھا اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے ساتھ بغض
 کو وجہ سے ان سے بغض رکھا۔ یعنی وہ محبت جو میرے صاحب کے متعلق کی گئی ہے ایسی ہی محبت ہے جیسی کہ مجھ سے
 متعلق ہے اور اسی طرح وہ بغض جو ان سے تعلق رکھتا ہے ایسا ہی بغض ہے جیسا کہ مجھ سے کیا جائے۔
 ہم کو حضرت امیر (علیؑ) کے ساتھ جنگ کرنے والوں سے کوئی دوستی نہیں ہے بلکہ مناسب
 کہ ہم ان سے بیزار ہوں، لیکن چونکہ وہ سب پیغمبر کے اصحاب کرام ہیں کہ ما بھجت ایشاں ما موریم
 واز بغض وایزائے ایشاں ممنوع یعنی ہم کو ان کے ساتھ محبت رکھنے کا حکم ہے اور ان کے ساتھ بغض وایزارسانی
 سے روک دیئے گئے ہیں۔ اس لئے لازماً ہم بھی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دوستی کی وجہ سے
 تمام صحابہ کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے ساتھ بغض وایزارسانی سے دور رہتے ہیں کیونکہ ان سے بغض و
 ایزارکا معاملہ سرورعالم تک پہنچتا ہے۔ لیکن جو محق (حق پر) ہے ہم اس کو حق والا ہی کہیں گے اور
 معطلی (بلا قصد خطا واپ) کو معطلی۔۔۔ حضرت امیر (علیؑ) حق پر تھے اور ان کے مخالف
 خطا پر اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔۔۔ اس بحث کی تحقیق کا تفصیل سے ذکر

اس مکتوب (ج ۲۵۱ دفتراول) میں درج ہے جو خواجہ محمد اشرف کو لکھا گیا ہے۔ اگر کوئی بات پوشیدہ
 رہ گئی ہو تو اس مکتوب کی طرف رجوع فرمائیں۔

تصحیح عقائد کے بعد احکام فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بغیر چارہ نہیں، اور فرض و واجب، حلال و حرام
 سنت و مستحب، مشتبہ و مکروہ کی واقفیت بھی ضروری ہے اور اسی طرح علم فقہ کے تقاضے کے
 مطابق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضروریات (دین) میں سے سمجھیں اور اعمال
 صالحہ کی بجا آوری کی رعایت میں سعی بلیغ فرمائیں، اور نماز جو کہ دین کا ستون ہے اس کے چنار کان
 فضائل بیان کے جلتے ہیں، غور سے سنیں۔

اول وضو کامل اور پورے طور پر کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے، ہر عضو کو تین بار تمام وکمال
 دھونا چاہئے تاکہ سنت کے طریقہ پر وضو ادا ہو، اور سر کا مسح بالاستیعاب یعنی سارے سر کا مسح کرنا چاہئے
 اور کانوں اور گردن کے مسح میں خوب احتیاط کرنی چاہئے اور بائیں ہاتھ کی خنصر یعنی چنگلیا سے

پاؤں کی انگلیوں کے نیچے کی طرف سے خلال کرنا لکھا ہے اس کی رعایت رکھیں، اور مستحب کے بجالانے کو معمولی سمجھیں، مستحب حق جل جلالہ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو غنیمت ہے اس کا بعینہ یہی حکم ہے کہ کوئی چند حرف ریزوں یعنی ٹیکروں سے نفیس جوہر خرید لے اور بے فائدہ جہاد یعنی پتھر سے روح کو حاصل کرے۔ کمال طہارت اور کامل وضو کے بعد نماز کا قصد کرنا چاہئے جو "مومن کی معراج" ہے اور کوشش کرنی چاہئے کہ فرض نماز باجماعت ادا ہوں بلکہ امام کے ساتھ تکبیر اولیٰ بھی ترک نہیں ہونی چاہئے اور نماز کو مستحب وقت میں ادا کرنا چاہئے، قرأت میں قدر مینوں کو مد نظر رکھنا چاہئے۔ رکوع و سجود میں بھی طمانیت ضروری ہے کیونکہ فرض ہے یا بقول مختار واجب، قوم میں اس طرح سیدھا کھڑا ہونا چاہئے کہ تمام بدن کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ پر آجائیں۔ اور سیدھا کھڑے ہونے کے بعد طمانیت درکار ہے کیونکہ طمانیت فرض ہے یا واجب یا سنت علی اختلاف الاقوال۔ ایسے ہی جلسہ میں جود و سجودوں کے درمیان ہے اچھی طرح بیٹھنے کے بعد اطمینان ضروری ہے جیسا کہ قومہ میں۔ اور رکوع و سجود کی کم سے کم تیس بیس تین بار میں اور اوپر زیادہ سے زیادہ سات یا آٹھ یا گیارہ بار میں علی اختلاف الاقوال۔ اور امام کی تسبیح مقتدیوں کے حال کے اندازہ کے مطابق ہونی چاہئے۔ شرم کی بات ہے کہ انسان تنہا نماز پڑھنے کی حالت میں طاقت ہوتے ہوئے اقل تسبیحات پر کفایت کرے، اگر زیادہ نہ ہو سکے تو پانچ یا سات یا تڑو کہے۔ اور سجدہ کرتے وقت اول وہ اعضا زمین پر رکھے جو زمین کے نزدیک ہیں۔ پس اول دونوں زانو زمین پر رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی، زانو اور ہاتھ زمین پر رکھتے وقت دائیں طرف سے ابتدا کی جائے۔ اور سر اٹھاتے وقت اول ان اعضا کو اٹھانا چاہئے جو آسمان سے نزدیک ہیں، پس پہلے پیشانی اٹھانی چاہئے۔ اور قیام کے وقت اپنی نظر کو سجدہ کی جگہ پر، اور رکوع کے وقت اپنے پاؤں پر، اور سجدے میں ناک کی ٹوک پر اور جلوس کے وقت اپنے دونوں ہاتھوں پر یا اپنی گود کی طرف نظر رکھنی چاہئے۔ جب نظر پرگندہ ہونے سے روک لی جائے اور مذکورہ بالا جگہوں میں جمالی جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ نماز جمعیت اور حضور دل کے ساتھ میسر ہوگئی اور شروع کے ساتھ ادا ہوگئی جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام سے منقول ہے۔ اور ایسے ہی رکوع کے وقت دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو گھٹا رکھنا اور سجود کے وقت انگلیوں کا ملانا سنت ہے اس کو بھی

یہ نظر رکھنا چاہئے۔۔۔ انگلیوں کا کھلا رکھنا یا بلا نابلے تقریب و بے فائدہ نہیں ہے صحابہ شرعاً نے اس میں کئی قسم کے فائدے ملاحظہ کر کے اس پر عمل فرمایا ہے۔۔۔ نیز صاحب شریعت علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے برابر کوئی فائدہ نہیں ہے۔۔۔ یہ سب احکام مفصل اور واضح طور پر کتب فقہ میں درج ہیں، یہاں بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ علم فقہ کے مطابق عمل بجالانے میں ترغیب ہو۔۔۔

وَقَفَّنا لِلّٰهِ وَسُبْحٰنَهُ وَاِيَّاكَ عَلٰى الْاَعْمَالِ الصّٰلِحَةِ الْمُوَافِقَةِ لِلْمَعْلُوْمِ الشَّرْعِيِّ بَعْدَانٍ وَقَفَّنا لِلّٰهِ سُبْحٰنَهُ لِتَصْغِيْرِ الْعَقَائِدِ الدِّيْنِيَّةِ بِحُرْمَتَيْ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِ كُلِّ مَرَّةٍ الصَّلٰوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ الْمَكْرَهَةِ اِنَّهُ تَعَالٰى بِهٖمْ كَوَاوِرِ اَپْ كُوْحُرْتِ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ وَعَلٰى اٰلِ كُلِّ مَرَّةٍ

وَعَلٰى اٰلِ كُلِّ مَرَّةٍ مِنْ اَصْلُوَاتِ اَفْضَلُهَا وَمِنَ التَّسْلِيْمَاتِ الْمَكْرَهَةِ كَيْ تَطْفِيْلُ دِيْنِيَّ عَقَائِدِ كَيْ تَصْحَحَ كَيْ بَعْدَ عِلْمِ شَرْعِيَّ كَيْ مَوَافِقِ اَعْمَالِ صَالِحَةٍ بَجَالَانَةٍ كَيْ تَوْفِيْقِ عَطَا قِرَاةٍ (آمین)۔

نماز کے متعلق تین اہم کتب

اگر نماز کے فضائل جاننے اور اس کے مخصوص کمالات معلوم کرنے کا ذوق و شوق اپنے اندر پائیں تو تین مکتوب جو ایک دوسرے سے متصل اور ملے ہوئے ہیں ان کا مطالعہ فرمائیں :-

پہلا مکتوب (۲۶۰) فرزند می محمد صادق کے نام لکھا گیا ہے اور دوسرا مکتوب (۲۶۱) میر محمد نعمان کے نام اور تیسرا مکتوب (۲۶۳) شیخ تاج فیض کے نام لکھا ہے۔

ان اعتقادی اور عملی دو بازوؤں کے حاصل ہونے کے بعد اگر حق تعالیٰ جل سلطانہ کی توفیق رہنمائی فرمائے تو صوفیہ کے عالیٰ طریقہ کا سلوک (اختیار) کرے جو اس غرض سے نہیں کہ وہ اعتقاد و عمل کے علاوہ کوئی زائد چیز ہے یا کوئی نئی چیز حاصل کرنا ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ معتقد کی نسبت ایسا یقین و اطمینان حاصل ہو جائے کہ شک ڈالنے والے کی تمک اندازی سے زائل نہ ہو، اور شبہ کے پیش آنے سے باطل نہ ہو جائے، کیونکہ بحث و مباحثہ کے پاؤں لکڑی کے ہوتے ہیں، اور دلائل قائم رہنے والے نہیں ہوتے: اَلَا يَدْرِيْ كَيْفَ تَطْمِيْنُ الْقُلُوْبَ رَعْدًا يَسْمَعُ خَبْرًا كَيْ تَعَالٰى كَيْ ذَكَرَ

ہی سداوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے)۔۔۔ اور اعمال کی بجا آوری کے لئے آسانی اور سہولت حاصل کریں، اور سستی و سرکشی جو نفس انار سے پیدا ہوتی ہے اس کو دور کریں۔ اور اسی طرح طریقہ صوفیہ کے سلوک کا مقصود یہ نہیں ہے کہ غیبی صورتوں اور شکلوں کا مشاہدہ اور طرح طرح کے انوار کا معائنہ کریں۔ تو خود ہو و لعب میں داخل ہیں، یہ حتی صورتیں اور انوار کس قدر نقصان رکھتے ہیں

کہ کوئی شخص انوار و صورتِ غیبی کی تمنا میں اپنے آپ کو ریاضات و مجاہدات میں لگا دے، کیونکہ یہ (حتیٰ صورتیں اور وہ (غیبی) صورتیں) اور یا تو ارا اور وہ انوار سب کے سب حق جل و علا کی مخلوق ہیں، اور وہ حق تعالیٰ کے وجود پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں۔

اور صوفیہ کے طریقوں میں سے طریقہ عالیہ نقشبندیہ کا اختیار کرنا اولیٰ و انسب ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں نے سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور بدعت سے پرہیز کیا ہے، اگر ان کی پیروی کی دولت حاصل ہو جائے اور حال و احوال کچھ بھی حاصل نہ ہوں تو خوش ہیں۔ اور اگر احوال کے باوجود سنت کی پیروی میں سُستی اور نقصان جائیں تو ان احوال کو پسند نہیں کرتے۔

— یہی وجہ ہے کہ ان بزرگواروں نے سماع و رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال (سماع کے دوران) ان پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے بلکہ ذکرِ چہر کو بھی بدعت جان کر اس سے منع فرماتے ہیں، اور وہ ثمرات جو اس کیفیت پر مرتب ہوتے ہیں ان کو بھی قابلِ التفات نہیں سمجھتے۔

ایک دن ہم حضرت ایشاں (خواجہ باقی باشر) کی مجلسِ طعام میں حاضر تھے۔ شیخ کمال جو ہمارے حضرت خواجہ کے مخلصوں میں سے تھے، انھوں نے کھانا شروع کرتے وقت ان کے حضور میں اِسْمِ اللہ بلند آواز سے کہا۔ آپ کو ناگوار ہوا۔ حتیٰ کہ آپ نے کافی سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ ان کو منع کریں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہوں کریں۔ اور میں نے حضرت ایشاں (خواجہ باقی باشر) سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ علماءِ بخارا کو جمع کر کے حضرت امیر کمالؒ کی خانقاہ میں لے گئے تاکہ وہ ان کو ذکرِ چہر سے منع فرمائیں۔ چنانچہ علماءِ کرام نے حضرت امیر کی خدمت میں عرض کیا کہ ذکرِ چہر بدعت ہے آپ ایسا نہ کریں، انھوں نے فرمایا کہ ہم آئندہ نہیں کریں گے۔

جب اس طریقے کے بزرگوار (صوفیائے ربانی) ذکرِ چہر سے منع کرنے میں اس قدر مجاہد کرتے ہیں تو پھر سماع و رقص اور وجد و تواجہد کیا ذکر و احوال و واجہد جو غیر مشروع اسباب پر مرتب ہوں فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہیں کیونکہ استدراج والوں کو بھی احوال و مذاق حاصل ہوتے ہیں اور چہان کی صورتوں کے آئینوں میں کشفِ توحید اور مکاشفہ و معائنہ ان کو بھی ظاہر ہو جاتا ہے اس امر میں حکمائے یونان اور ہندوستان کے جوگی و برہمن سب برابر ہیں، احوال کے سچا اور صادق ہونے کی علامت ان احوال کا علوم شرعیہ کے مطابق ہونا اور محترمہ و مشتبہ اور کے ارتکاب سے بچنا ہے۔

جاننا چاہئے کہ سماع و رقص و حقیقت لہو و لعب میں داخل ہیں آیہ کریمہ وَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَسْتَنْزِیْ لَهٗوَ الْحَدِیْثِ (سورہ بلقن آیہ ۳) (اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی (نالائق) ہے جو ایسا
(خرافات) قصے کہانیاں مول لے لیتا ہے) سرود سے منع کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ چنانچہ

مجاہد جو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد ہیں اور کیا زنا بعین میں سے ہیں فرماتے ہیں
لَهٗوَ الْحَدِیْثِ سے مراد سرود ہے۔ اور تفسیر مدارک میں ہے کہ لہو الحدیث سرود (بعدت) بیہودہ
قصے کہانیوں میں وقت گزارنا اور سرود۔ اور حضرت ابن عباس و ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم قسم کھاتے
تھے کہ بیشک وہ غنا و سرود ہے۔ حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول لَایَسْتَهْدُونَ الزُّوْرَ

(الفرقان آیہ ۴۲) (زور میں حاضر نہیں ہوتے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں آی لَایَسْتَهْدُونَ الزُّوْرَ (یعنی
سرود و سماع میں حاضر نہیں ہوتے)۔ اور امام البہدی ابو منصور ماتریدی سے روایت کی گئی ہے

کہ جس شخص نے ہمارے زمانے کے کسی قاری کو (جو کلمات قرآن میں گانے کی طرز پر پڑھنے کی وجہ سے
تغیر پیدا کرتا ہے) قرأت کے وقت کہا کہ تو نے بہت اچھا پڑھا تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس کی عورت
کو طلاق ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی تمام نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور

ابو نصیر الدبوسی سے حکایت کی گئی ہے کہ انھوں نے قاضی ظہیر الدین خوارزمی سے نقل کیا ہے کہ جس نے
گانے والے یا کسی اور سے سرود سنا یا فعل حرام کو دیکھا اور اس کو اچھا جانا اسی وقت مرتد ہو جاتا ہے خواہ
اچھا جانا اعتقاد کی رو سے ہو یا بغیر اعتقاد کے، کیونکہ اس نے شریعت کے حکم کو باطل کر دیا اور جس نے
شریعت کے حکم کو باطل کر دیا وہ کسی مجتہد کے نزدیک مومن نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کو قبول
نہیں کرتا اور اس کی سب نیکیوں کو ضائع کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس سے بچائے۔

سرود و غنا کی حرمت میں آیات و احادیث اور روایات فقہیہ اس کثرت سے ہیں کہ ان کا
شمار کرنا مشکل ہے اس کے باوجود اگر کوئی شخص منوع حدیث یا روایت شاذہ (یعنی غیر معتبر) کو سرود کے
مبلغ ہونے میں پیش کرے تو اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ کسی فقیہ نے کسی زمانے میں بھی سرود کے
مبلغ ہونے کا فتویٰ نہیں دیا ہے اور نہ ہی رقص و یا کوئی کو عائر قرار دیا ہے جیسا کہ امام ضیاء الدین

سلفہ در مختار میں ہے کہ قرآن و اذان میں آواز کو خوبصورتی سے پھرانا اچھا ہے جبکہ حروف میں تغیر واقع نہ ہو، اگر تغیر واقع ہوا
تو اس کے لئے کمی اور سننے والے کے لئے بھی سکڑوہ ہے اور اس کو احسن کہنا یعنی تغیر اچھا کیا اگر اس کے خاموش ہونے کی وجہ سے
(بطور عدل کے) ہے تو اچھا ہے اور اگر اس کی اس (گانے کی طرز کی) قرأت کی وجہ سے احسن کہا تو اس پر کفر کا ڈر ہے۔

شامی کے بارے لفظ میں مذکور ہے۔ اور صوفیہ کا عمل حل و حرمت میں مندرج نہیں ہے۔ کیا ان کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ان کو ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں، یہاں تو امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا قول معتبر ہے، نہ کہ ابو بکر شبلی اور ابو الحسن نورانی کا عمل۔ اس زمانے کے تمام صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر سرور و رقص کو اپنا دین و ملت بنا لیا ہے اور اسی کو طاعت و عبادت سمجھ لیا ہے: **الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَ لَعِبًا وَ رَغَاةً آيَاتٍ** (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا دین کو اپنا دین بنا لیا ہے)۔ سابقہ رعایت سے معلوم ہو چکا کہ جو شخص فعلی حرام کو مستحسن اور اچھا جانے وہ اسلام کے گروہ سے نکل جاتا اور مرتد ہو جاتا ہے۔ تو پھر خیال کرنا چاہئے کہ سماع و رقص کی مجلس کی تعظیم کرنا بلکہ اس کو طاعت و عبادت سمجھنا کس قدر برا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ ہمارے پیر اس مرض میں مبتلا نہ ہوئے اور ہم بتبعین کو اس قسم کے امور کی تقلید سے بچھڑا دیا۔

سننے میں آیا ہے کہ مخدوم زادے سرور کی طرف رغبت رکھتے ہیں اور جمعہ کی راتوں میں سرور دادِ قصید خوانی کی مجالس منعقد کرتے ہیں اور اکثر اجاب اس امر میں موافقت کرتے ہیں۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ دوسرے سلسلوں کے مرید تو اپنے پیروں کے عمل کا بہانہ بنا کر اس امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور شرعی حرمت کو اپنے پیروں کے عمل سے دفع کرتے ہیں اگرچہ فی الحقیقت وہ اس امر میں حق پر نہیں ہیں۔ بھلا اس سلسلہ کے اجاب اس از نکاب میں کونسا عذر پیش کریں گے۔ ایک طرف حرمت شرعی اور دوسری طرف اپنے پیروں کی مخالفت ہوتی، نہ اہل شریعت اس فعل سے راضی اور نہ اہل طریقت۔ اگر حرمت شرعی تبھی ہوتی تو بھی طریقت میں کسی نئے امر کا پیدا کرنا برا ہوتا، پھر ایسا امر کس طرح بُرا نہ ہو جبکہ حرمت شرعی بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائے۔ مجھے یقین ہے کہ جناب مرزا جیو (یعنی خواجہ حسام الدین صاحب) اس امر سے راضی نہ ہوں گے لیکن آپ کے آداب کو مد نظر رکھ کر صریح طور پر منع بھی نہ کرتے ہوں گے اور دوستوں کو اس اجتماع سے نہ روکتے ہوں گے۔ اس فقرے نے چونکہ اپنے آنے میں کچھ توقف دیکھا اس لئے چند فقرے جمع کر کے لکھ کر بھیج دیئے ہیں۔ اس سبق کو مرزا جیو کی خدمت میں پیش کر دیں، اور اول سے آخر تک ان کے سامنے پڑھیں۔

والسلام

مکتوب

خان جہاں کی طرف صادر فرمایا۔ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عقائد اور اسلام کے پانچ ارکان اور کلمہ حق کہنے کی ترغیب میں یعنی اسلام کی باتیں بادشاہ وقت (جہانگیر) کے گوش گزار کرنے اور اس کے مناسب بیان میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰ

آپ کا صحیفہ شریفہ جواز روئے کرم و التفات فقرائے خستہ حال کے نام تحریر کیا تھا موصول ہوا۔ اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ اس پُر فتن زمانے میں بھی سعادت مند اغنیاء دولت مند حضرات (اپنے حسن فطرت کی وجہ سے بے متاسی کے باوجود) درافتادہ فقرائے کسالت و عجز و نیاز سے پیش آتے ہیں اور اس گروہ کے ساتھ ایمان و اعتبار رکھتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ متفرق تعلقات (دنیاوی) کے باوجود اس دولت (عقیدت) کے حصول میں کوئی چیز مانع نہیں ہوتی اور مختلف امور میں منقسم توجہ نے ان درویشوں کی محبت سے باز نہیں رکھا، اس نعمتِ عظمیٰ کا بھی شکر بجالانا چاہئے اور امید رکھنی چاہئے کیونکہ حدیث نبوی علیہ علی الصلوٰۃ والسلام ہے: **اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ** (بخاری و مسلم) (آدمی اسی کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے) بے سعادت و نجات کے نشان والے! آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقائد کو فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو سوادِ اعظم اور جمیع غفیرہ میں کے عقائد کے موافق درست کرے تاکہ فلاح و نجاتِ آخری منظور ہو سکے۔ جبکہ اعتقاد یعنی بداعتقاد ہی جو اہل سنت و جماعت کے مخالف ہے زیرِ قاتل ہے جو دائمی موت اور ہمیشہ کے عذاب و عتاب تک پہنچا دیتی ہے۔ عمل میں سستی اور کاہلی ہو تو مغفرت کی امید ہے لیکن اعتقاد کی خرابی اور کمزوری میں مغفرت

لے آپ کے نام دو مکتوب ہیں ایک ہی اور دوسرا دفتر سوم مکتوب ۵۴۔ آپ کا نام پیر خاں اور لقب خان جہاں ابن دولت خاں لودھی شاہ پوخیل کے قبیلے سے تھے۔ شہزادہ دانیال کا تقریباً سال کر کے جہانگیر کے امرا میں شامل ہو گئے، آپ بڑے علم دوست تھے اور علماء سے بہت محبت کرتے تھے عوام کے ساتھ بھی اچھا سلوک تھا۔ جہانگیر کو آپ پر سبت اعتماد تھا اور اس وجہ محبت تھی کہ اس سے زیادہ متصور نہیں۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد شاہ جہاں بادشاہ ہوا تو خان جہاں اس سے مشکوک ہو گیا اور اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ شاہ جہاں نے اس پر لشکر کشی کر کے ۱۶۲۷ء میں قتل کر دیا۔ (نزهة الخواطر ج ۵ ص ۱۳۹)

کی گنجائش نہیں ہے (حق تعالیٰ فرماتا ہے) **إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ** (نساء ۴۸) (بیشک اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دے گا) اہل سنت و جماعت کے معتقدات مختصر طور پر بیان کئے جاتے ہیں، ان کے مطابق اپنے عقائد کو درست کر لینا چاہئے اور حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے نہایت عاجزی و انکساری کے ساتھ اس دولت (عقائد) پر استقامت کا سوال کرنا چاہئے :-

(عقیدہ ۱) جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات قدیم کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیا اس سبحانہ کی ایجاد سے موجود ہوتی ہیں اور وہ بلند و برتر ہستی ان کو پیدا کر کے عدم سے وجود میں لاتی ہے لہذا حق تعالیٰ قدیم اور ازلی ہے اور تمام اشیا حادث اور نوپدید (بعد کی پیدا کی ہوئی) ہیں۔ اور (حق تعالیٰ) جو قدیم و ازلی ہے وہ باقی اور ابدی ہے اور جو چیزیں حادث اور نوآئیدہ (نئی پیدا شدہ) ہیں وہ فانی اور ہلاک ہونے والی ہیں یعنی معرض زوال (زوال کے میدان) میں ہیں۔

(عقیدہ ۲) حق سبحانہ ایک ہے، یگانہ اور منفرد ہے، واجب وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور عبادت کا استحقاق بھی کسی کو نہیں ہے۔ واجب وجود اس تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لئے شایاں نہیں اور نہ اس سبحانہ کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق ہے اور خاص اسی تعالیٰ کے لئے صفات کا بلہ ہیں۔ (عقیدہ ۳) مجملہ ان میں (حق تعالیٰ کی صفات) یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، ارادہ، شمع، بصر، کلام اور تکوین ہیں۔ جو کہ قدم اور ازلیت (قدیم اور ازلی) صفات سے متصف ہیں، اور حضرت ذات جل سلطانہ کے ساتھ قائم ہیں۔ حوادث کے تعلقات صفات کے قدیم ہونے میں حائل انداز نہیں ہوتے اور متعلق کا حدوث ان صفات کی ازلیت کا باعث نہیں ہوتا۔ فلاسفہ اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اور معتزلہ اپنے اندر سے پن کے باعث حدوث متعلق سے حدوث متعلق کو وابستہ کرتے ہیں اور صفات کلام کی نفی کرتے ہیں، اور حق تعالیٰ کو جزئیات کا عالم نہیں جانتے کہ جس سے تغیر لازم آتا ہے جو حدوث کی علامت ہے۔ (فلاسفہ اور معتزلہ) یہ بھی نہیں جانتے کہ صفات ازلی ہوتے ہیں۔ اور صفات کے وہ تعلقات جو اپنے حادثہ متعلقات کے ساتھ ہیں وہ بھی حادثہ ہوتے ہیں۔

(عقیدہ ۴) اور نقائص کی باتیں حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب قدس سے مسلوب ہیں

۱۔ اسی طرح عقائد سے متعلق ایک مکتوب ۲۶۶ دفتر اول میں بھی ہے۔

اور حق تعالیٰ جو اہر اجسام اور اعراض کی صفات و لوازم سے پاک و منزه ہے، نیز زمان و مکان اور
جہت کی بھی حضرت حق تعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اسی کی مخلوق ہیں۔
وہ شخص بہت بے خبر جو حق سبحانہ کو فوق العرش جانتا ہے اور فوق کی جہت کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ
عرش اور اس کے علاوہ بھی تمام چیزیں حادث ہیں اور اس کی مخلوق ہیں۔ مخلوق اور حادث کی
کیا مجال ہے کہ وہ خالق قدیم کا مکان بن جائے اور اس کی فرارگاہ ہو جائے۔ پس اتنا ضرور ہے کہ عرش
اس تعالیٰ کی سب سے اشرف مخلوقات میں سے ہے اور اس میں نورانیت و صفائی تمام ممکنات سے
زیادہ ہے اور لازمی طور پر وہ آئینہ کا حکم رکھتا ہے جس سے حق جل و علا کی عظمت و کبریائی کا ظہور
ہوتا ہے، اس ظہور کے تعلق کی وجہ سے اس کو "عرش اللہ" کہتے ہیں، ورنہ عرش وغیرہ تمام اشیا
اس تعالیٰ کے نزدیک ایک جیسی حیثیت رکھتی ہیں اور سب اس کی مخلوق ہیں۔ لیکن عرش کو نمائندگی
(آئینہ داری) کی قابلیت حاصل ہے جو دوسروں کو نہیں ہے۔ آئینہ جو کسی شخص کی صورت ظاہر
کرتا ہے (اس کے متعلق) یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شخص آئینے میں موجود ہے بلکہ اس شخص کی نسبت اور
دوسری تمام اشیاء کی نسبت آئینے کے سامنے برابر ہے۔ صرف قبول کرنے کی قابلیت کا فرق ہے
کہ آئینہ اس شخص کی صورت قبول کر کے ظاہر کرتا ہے اور دوسروں میں یہ قابلیت نہیں ہے۔

(عقیدہ ۵) حق سبحانہ و تعالیٰ نہ جسم ہے نہ جسمانی، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ محدود ہے نہ متناہی
نہ طویل ہے نہ عرض، نہ دراز ہے نہ کوتاہ، نہ فراخ ہے نہ تنگ، بلکہ واسع ہے لیکن ایسی وسعت نہیں
جو ہماری سمجھ میں آسکے، اور محیط ہے لیکن ایسا احاطہ نہیں جو ہمارے ادراک میں آسکے، وہ قریب ہے
لیکن ایسا قرب نہیں جو ہماری عقل میں آجائے، وہ ہمارے ساتھ ہے لیکن ایسی معیت نہیں جو عام طور پر
متعارف ہے۔ پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ وہ (حق تعالیٰ) واسع ہے، محیط ہے، ہمارے قریب ہے اور
ہمارے ساتھ ہے لیکن ان صفات کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کہ وہ کیسی ہے، اور ہم جو کچھ جانتے
ہیں یہی جانتے ہیں (اگر اس کی ذات کے جاننے کے بارے میں کچھ بیان کریں) مجسمہ (یعنی جسم کا قائل ہونا)
کے نزدیک میں قدم رکھتا ہے۔

*

عقیدہ ۶) حق تعالیٰ کسی چیز کے ساتھ متحد نہیں اور نہ کوئی چیز اس کے ساتھ متحد ہے، اور
نہ ہی کوئی چیز اس تعالیٰ میں حلول کر سکتی ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے۔ بعض (حصہ حصہ ہونا)

تجزی (جز جز ہونا) اس کی جنابِ قدس میں محال ہے اور ترکیب و تحلیل (جز بنا اور پارہ پارہ ہونا) بھی حضرت جل شانہ کی بارگاہ میں ممنوع ہے۔

حق تعالیٰ کا خل اور ہم جنس بھی کوئی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کے پیوی بچے، حق تعالیٰ کی ذات و صفات بے مثل اور بے کیف ہیں، بے شبہ اور بے نمونہ ہیں۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ ہے اور ان صفاتِ کاملہ کے ساتھ متصف ہے جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے لیکن جو کچھ اس ہماری فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہماری عقل منصور کرتی ہے حق تعالیٰ اس سے منزہ اور بلند ہے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے: لَا تَدْرِكُهُ الْبَصَارُ (آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں)۔

دورمیانِ بارگاہِ آلتِ پیش آریں بے نیرہ اندکہ ہمت
بارگاہِ الست جو پہنچے کہہ سکے یہ کہ ہاں وہاں وہ ہے

یہ بھی جانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ توقیفی ہیں یعنی صاحبِ شرع سے سننے پر موقوف ہیں۔ ہر وہ اسم جس کا اطلاق شرع شریف میں حضرت حق سبحانہ پر ہوا ہے اس کا اطلاق کرنا چاہئے اور جس اسم کا نہیں ہوا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہئے اگرچہ اس اسم میں کتنے ہی کمال درجے کے معانی پائے جاتے ہوں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ پر "جواد" کا اطلاق کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ اسم آیا ہے مگر (حق تعالیٰ کو) سخی نہیں کہنا چاہئے کیونکہ (حق تعالیٰ کی یہ صفت شرع میں نہیں آئی)۔

(عقیدہ ۷) قرآن مجید خداوند جل سلطانہ کا کلام ہے جس کو حرف و آواز کے لباس میں ہمارے پیغمبر علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعے بندوں کو امر و نہی کا حکم کیا گیا ہے جس طرح ہم اپنے کلامِ نفسی کو نالو و زبان کے ذریعے حرف و آواز کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے پوشیدہ مقاصد و مطالب کا اظہار کرتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے کلامِ نفسی کو نالو و زبان کے واسطے کے بغیر محض اپنی قدرتِ کاملہ سے حرف و آواز کا لباس عطا فرمایا کر اپنے بندوں کے لئے بھیجا ہے اور اپنے پوشیدہ امر و نہی کو حرف و آواز کے ضمن میں لاکر ظاہر فرمادیا ہے۔ پس کلام کی دونوں قسمیں یعنی نفسی اور لفظی حق جل و علا کا کلام ہیں اور ان دونوں قسموں پر کلام کا اطلاق کرنا حقیقت کے طور پر ہے جس طرح کہ ہمارے

کلام کی دونوں قسمیں نفسی و لفظی حقیقت کے طور پر ہمارا کلام ہیں نہ یہ کہ قسم اول حقیقت ہے اور قسم ثانی مجاز، کیونکہ مجاز کی نفی جائز ہے اور کلام لفظی کی نفی کرتا اور اس کو کلام خدا نہ کہنا کفر ہے۔ اسی طرح دوسری کتابیں اور صحیفے جو پہلے نبیاری علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی ہیں سب حق سبحانہ کا کلام ہیں۔ اور جو کچھ قرآن مجید اور ان کتابوں و صحیفوں میں درج ہے وہ سب خداوند جل سلطانتہ کے کلام ہیں جن کا ہر زمانے کے موافق بندوں کو مکلف فرمایا ہے۔

(عقیدہ ۸) مومنوں کا حضرت حق سبحانہ کو بہشت میں بے جہت بے مقابلہ بے کیفیت اور بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ اس رویت اُخروی اور دیدار پر ہمارا ایمان ہے، لیکن اس کی کیفیت میں مشغول نہیں ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ کی رویت بے چون و بے مثل ہے، ارباب چون پر اس دنیا میں اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔ سوائے ایمان لانے کے ان کا کوئی نصیب حصہ نہیں۔

فلاسفہ معتزلہ اور باقی تمام دوسرے باطل فرقوں پر افسوس ہے جو اپنی محرومی اور اندھے پن کی وجہ سے رویت اُخروی کا انکار کرتے ہیں اور غائب کا قیاس حاضر پر کرتے ہیں اور اس پر بھی ایمان کی دولت سے مشرف نہیں ہوتے۔

(عقیدہ ۹) حق تعالیٰ جس طرح بندوں کا خالق ہے اسی طرح ان کے افعال کا بھی خالق ہے۔ وہ افعال خیروں یا شر، سب اسی کی تقدیر و مشیت سے ہیں لیکن خیر سے اللہ تعالیٰ راضی ہے اور شر سے راضی نہیں۔ اگرچہ (افعال خیر و شر) دونوں حق سبحانہ کے ارادہ اور مشیت سے ہیں۔ لیکن جانا چاہئے کہ صرف تنہا "شر" کو سو یاد کیے باعث حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئے اور خالق شر نہ کہنا چاہئے بلکہ خالق خیر و شر کہنا سب سے چنانچہ علمائے کہا ہے کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کو خالق کل شیء کہنا چاہئے، خالق القادورات و الخنازیر (گندگیوں اور خنزیروں کا خالق) نہیں کہنا چاہئے کیونکہ اس میں حق تعالیٰ کی جنابِ قدس میں بے ادبی ہے۔ معتزلہ تنویتی یعنی دونوں کے قائل ہونے کے باعث افعال کا خالق بندہ کو جانتے ہیں اور خیر و شر پیدا کرنے کی نسبت کو بندہ کی طرف کرتے ہیں جس کی شرع اور عقل دونوں تکذیب کرتے ہیں۔ ہاں علمائے حق بندہ کی قدرت کو اس کے فعل میں دخل انداز جانتے ہیں اور بندے کے لئے کسب کا اثبات کرتے ہیں کیونکہ حرکت و فعل در عندہ الی حرکت اور حرکت مختار (اختیار والی حرکت) میں واضح فرق ہے۔ حرکت ارتعاش میں بندہ

کی قدرت اور کسب کا کچھ دخل نہیں اور حرکتِ اختیاری میں دخل ہے، اور اتنا فرق ہی مواخذہ کا باعث ہو جاتا ہے اور ثواب و عذاب کو ثابت کرتا ہے۔۔۔۔۔ اکثر لوگ بندہ کی قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندہ کو محض بے چارہ اور عاجز جانتے ہیں۔ ان لوگوں نے علماء کی مراد کو نہیں سمجھا، بندہ میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا اس معنی کے لحاظ سے نہیں ہے کہ بندہ جو کچھ چاہے کر لے اور جو چاہے نہ کرے، یہ بات بندگی کی حقیقت سے دور ہے۔ بلکہ اس معنی کے اعتبار سے ہے کہ بندہ جس بات کے ساتھ مکلف ہے اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ مثلاً (بندہ) پانچوں وقت نماز ادا کر سکتا ہے، (مال کا) چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکتا ہے، اور بارہ مہینوں میں سے ایک مہینہ (رمضان) کے روزے رکھ سکتا ہے، اور اپنی عمر میں سواری اور خرچ کے ہوتے ہوئے ایک بار حج کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح باقی احکام شرعیہ ہیں جن میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کمال مہربانی سے بندہ کے ضعف و کمزوری کا لحاظ رکھتے ہوئے سہولت و آسانی کی رعایت فرمائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ** (بقولہ اللہ تعالیٰ تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے اور تم پر تنگی کرنا نہیں چاہتا)۔۔۔۔۔ نیز اللہ جل سلطانہ فرماتا ہے: **يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وِجْلَ الْإِنْسَانِ ضَعِيفًا** (آیت ۲۹) اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے (کیونکہ) انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے۔ انسان ضعیف شہوات سے صبر نہیں کر سکتا اور نہ سخت تکالیف برداشت کر سکتا ہے۔

(عقیدہ علم انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات حق جل شانہ کی طرف سے مخلوق کی طرف بھیجے ہوئے ہیں تاکہ وہ مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دیں اور گمراہی سے ہٹا کر سیدھے راستے پر لائیں اور جو شخص ان کی دعوت کو قبول کرے اس کو بہشت کی خوشخبری دیں اور جو کوئی انکار کرے اس کو دوزخ کے عذاب سے ڈرائیں، اور جو کچھ انھوں نے حق جل و علا کی طرف سے پہنچایا اور بتایا ہے سب حق اور سچ ہے، اس میں خلاف ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم علیہ و آلہ و سلم جمعین خاتم انبیاء ہیں، اور آپ کا دین تمام سابقہ ادیان کا ناسخ ہے، اور آپ کی کتاب (قرآن مجید) پہلی تمام کتابوں سے بہتر ہے، اور آپ کی شریعت کو کوئی سرخ کرنے والا نہیں ہے بلکہ وہ قیامت تک باقی رہے گی۔

حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے قریب آسمان سے نزول فرما کر آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے اور آپ ہی کے امتی کی حیثیت سے رہیں گے۔

(عقیدہ ۱۱) اور آنحضرت علی آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے جو کچھ آخرت کے احوال پر فرمایا ہے سب حق اور سچ ہے یعنی — قبر کا عذاب اور اس کی تنگی — منکر نکیر کا سوال — دنیا کا فنا ہونا — آسمانوں کا پھٹ جانا — ستاروں کا پراگندہ ہو جانا — زمین اور پہاڑوں کا اٹھالینا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا — مرنے کے بعد زندہ ہو کر اٹھنا — روح کا جسم میں واپس ڈالنا — قیامت کا زلزلہ — قیامت کی ہولناکیاں — اعمال کا محاسبہ — اعمال کے متعلق اعضا کا گواہی — نیکیوں اور برائیوں کے اعمال ناموں کا دائیں اور بائیں ہاتھ اڑ کر آنا — میزان کا رکھا جانا تاکہ اس کے دریعے نیکی اور بدی کی کمی و زیادتی معلوم کریں — اگر نیکیوں کا پلہ بھاری ہو تو نجات کی علامت ہے اور اگر ہلکا ہو تو یہ خسارہ کا نشان ہے — اس میزان کا ہلکا اور بھاری ہونا دنیاوی میزان کے ہلکا اور بھاری ہونے کے برخلاف ہے وہاں جو پلہ اوپر کو جائے گا وہ بھاری ہوگا اور جو پلہ نیچے ہوگا وہ خفیف اور ہلکا ہوگا۔

(عقیدہ ۱۲) انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی شفاعت حق ہے یعنی اولاً پیغمبر مالک یوم الدین اور ثانیاً جہل سلطانہ کی اجازت سے گنہگار مومنوں کی شفاعت کریں گے پھر صالحین — آنحضرت علیہ وعلیہ السلام نے فرمایا: شَفَاعَتِي لِذَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِي (میری شفاعت میری امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے ہوگی)۔

(عقیدہ ۱۳) پل صراط کو دوزخ کی پشت پر رکھا جائے گا اور مومن اس پل کو عبور کر کے بہشت میں چلے جائیں گے لیکن کافروں کے پاؤں لڑکھڑا کر دوزخ میں گرے گئے۔ یہ بات حق اور ثابت ہے۔

(عقیدہ ۱۴) اور بہشت جو مومنین کو نعمتیں مہیا کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے اور دوزخ جو کافروں کو عذاب دینے کے لئے بنائی گئی ہے، دونوں مخلوق ہیں، ہمیشہ باقی رہیں گے اور کبھی فانی نہ ہوں گے اور حساب و کتاب کے بعد جب مومن بہشت میں چلے جائیں گے تو وہ ہمیشہ بہشت ہی میں رہیں گے اور بہشت سے باہر نہیں آئیں گے۔ اور اسی طرح کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

اس حدیث کو احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔

ہیں گے اور وہاں دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے اور ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی۔ (جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَا يَخْفَىٰ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا يَنْظُرُونَ) (بقرہ آیت ۱۶۲) اور ان کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور جس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا وہ اگرچہ اپنے گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا لیکن اس کو بقدر عصیان عذاب دے کر آخر کار دوزخ سے نکال لیا جائے گا، نیز اس کے چہرہ کو سیاہ بھی نہیں کیا جائے گا جبکہ کفار کا چہرہ سیاہ کر دیا جائے گا۔ اور حرمت ایمان کی وجہ سے گنہگار مومن کی گردن میں طوق و زنجیر نہیں ڈالی جائے گی، جیسا کہ کفار کے لئے ہوگا۔

(عقیدہ ۱۵) اور فرشتے خداوند جل و علا کے مکرم بندے ہیں، حق تعالیٰ جل شانہ کا امر کی پابندی نافرمانی کرنا ان کے حق میں جائز نہیں، جس کام کا ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو بجالاتے ہیں، عورت اور مرد ہونے سے پاک ہیں، تو والد و تناسل ان کے حق میں مفقود ہے۔ بعض فرشتوں کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے رسالت کے لئے برگزیدہ کیا ہے اور ان کو وحی پہنچانے کے کام سے مشرف کیا ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابوں اور صحیفوں کو (حق تعالیٰ کی طرف سے) لانے والے بھی یہی ملائکہ ہیں جو خط و صل سے محفوظ اور دشمن کے مکر و فریب سے معصوم ہیں، جو کچھ انہوں نے حضرت حق سبحانہ کی طرف سے پہنچایا ہے سب صدق و صواب ہے اس میں کسی قسم کا شبہ احتمال و اشتباہ نہیں۔ اور یہ ملائکہ حق سبحانہ کی عظمت و جلال سے ڈرتے رہتے ہیں اور اس کے اوامر کی تعمیل کے سوا ان کو کچھ کام نہیں ہے۔

(عقیدہ ۱۶) ایمان نام ہے تصدیق قلبی اور اقرار لسانی کا، اور جو کچھ دین سے متعلق تو اترے اور یقین کے ساتھ اجمالاً و تفصیلاً ہم تک پہنچا ہے (اس کو صحیح مانا جائے) لیکن اعضا کے اعمال نفس ایمان سے خارج ہیں البتہ ایمان میں کمال کو بڑھانے والے اور حسن پیدا کرنے والے ہیں۔ امام اعظم کو فی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ایمان، زیادتی و نقصان (یعنی کمی بیشی) کو قبول نہیں کرتا کیونکہ تصدیق قلبی، نفس ایمان اور اذعان قلبی یقین سے عبارت ہے جس میں کمی و زیادتی کے فرق کی گنجائش نہیں، اور جو فرق کو قبول کرے وہ ظن و وہم کے دائرہ میں داخل ہے۔ ایمان میں کمال اور نقص، طاعات و حسنات کے اعتبار سے ہے۔ جس قدر طاعت زیادہ ہوگی اتنا ہی ایمان میں کمال بھی زیادہ ہوگا۔ لہذا عام مومنوں کا ایمان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے

عقیدہ ۱۸) اگر کسی گنہگار مومن کو موت کے غرغره (حالت نزع) سے پہلے پہلے توبہ حاصل ہو جائے تو بھی اس کی نجات کی بہت بڑی امید ہے کیونکہ (اس وقت تک) توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ و انابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ خدائے جل سلطانت کے سپرد ہے اگر چاہے تو اس کو معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو بقدر گناہ عذاب دے اور آگ سے یا بغیر آگ سزا دے، لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا اور انجام کار اس کے لئے بہشت ہے۔ کیونکہ آخرت میں رحمت خداوندی جل سلطانت سے محروم ہونا کافروں کے لئے مخصوص ہے اور جو کوئی ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے وہ رحمت الہی کا امیدوار ہے، اگر وہ گناہ کے باعث ابتداء میں رحمت خداوندی سے محروم رہا تو آخر میں اللہ سبحانہ کی عنایت سے رحمت میں سر ہو جائے گی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ

(آل عمران آیت) (اے ہمارے پروردگار! ہمارے دلوں کو ہدایت فرمانے کے بعد کبھی سے بچا اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بیشک تُو بہت عطا فرمانے والا ہے)۔

خلافت و امامت کی بحث اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیم کے نزدیک اگرچہ اصول دین میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ اعتقاد کے ساتھ تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ شیعاں اس بارے میں غلو کرتے ہیں اور انہوں نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے، لہذا مجبوراً علمائے اہل حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس بحث کو علم کلام یعنی عقائد کے ساتھ ملحق کر دیا ہے اور حقیقت حال سے آگاہ فرما دیا ہے۔

حضرت خاتم الرسل علیہ وعلیہم الصلوٰت والتسلیمات کے بعد امام برحق اور خلیفہ مطلق حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان (خلفاء راشدین) کی افضلیت ان کی خلافت کی ترتیب کے لحاظ سے ہے۔

حضرات شیخین کی افضلیت صحابہ و تابعین کے اجمل سے ثابت ہو چکی ہے چنانچہ اس کو اکابر ائمہ نے نقل کیا ہے جن میں سے ایک امام شافعی ہیں۔ شیخ ابو الحسن اشعری جو اہل سنت کے سردار ہیں فرماتے ہیں کہ شیخین کی افضلیت باقی تمام امت پر یقینی ہے۔ دوسرے صحابہ پر شیخین کی افضلیت کا انکار سوائے جاہل یا متعصب کے اور کوئی نہیں کرتا۔ حضرت امیر علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ

خلافت و امامت کی بحث

فرماتے ہیں کہ جو کوئی مجھ کو ابو بکر و عمر پر فضیلت دے وہ مفسری ہے میں اس کو اسی طرح کوڑے لگا دوں گا جس طرح مفسری کو لگائے جاتے ہیں ^(یعنی ناشی کوڑے)۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں اور ایک حدیث بھی نقل کرتے ہیں کہ آن سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں عروج واقع ہوا تو میں نے اپنے پروردگار سے درخواست کی کہ میرے بعد میرا خلیفہ علی ہو۔ فرشتوں نے کہا اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدائے تعالیٰ چاہے وہی ہوگا اور آپ کے بعد خلیفہ ابو بکر ہیں۔ نیز حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر (علیؑ) نے فرمایا کہ پیغمبر خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے گئے جب تک مجھ سے یہ عہد نہیں لے لیا کہ میری وفات کے بعد خلیفہ ابو بکر ہوں گے اس کے بعد عمر پھر عثمان اور اس کے بعد تو خلیفہ ہوگا ^{رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔} ^{داہن شاہین السنہ میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابوالجاسم لید بن احمد نے کتاب شجرة العقل میں لکھا ہے۔} اور حضرت امام حسن ^{رضی اللہ تعالیٰ عنہ} حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں۔

اور علمائے اہل سنت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں حضرت عائشہؓ کو مطلقاً فضیلت دیتے ہیں لیکن جو کچھ اس فقیر کا اعتقاد ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ علم و اجتہاد میں پیش پیش ہیں اور حضرت فاطمہؓ زہرا و تقویٰ اور انقطاع (مخلوق سے علیحدگی) میں پیش رو ہیں اسی لئے حضرت فاطمہؓ کو بتول کہتے ہیں جو انقطاع میں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اور حضرت عائشہؓ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فتاویٰ کا مرجع تھیں۔ اور اصحاب پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلامات والتسلیمات کی کوئی علمی شکل ایسی نہ تھی جس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس نہ ہو۔ وہ جنگ و جدال اور جھگڑے جو اصحاب کرام علیہم الرضوان کے درمیان واقع ہوئے ہیں مثلاً جنگِ جمل، جنگِ صفین، ان کو اچھے معانی اور نیک نیتی پر محمول کرنا چاہئے اور ہوا و تعصب سے دور سمجھنا چاہئے کیونکہ ان بزرگواروں کے نفوس حضرت خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی صحبت میں رہ کر ہوا و ہوس اور تعصب سے پاک اور حرص و کینہ سے بالکل صاف صلح کرتے تھے تو حق کے لئے اور اگر لڑائی جھگڑا کرتے تھے تو وہ بھی حق کے لئے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کرتا تھا اور خواہشات و تعصب کے شائبہ۔

اس عذاب کو ہم سے دور فرما دے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ اور آخری علامت آگ ہے جو عدن سے اُٹھے گی۔ ایک گروہ (مہدویہ) اپنی نادانی کی وجہ سے ایک شخص کے متعلق گمان کرے گا جس اہل ہند میں سے ہوتے ہوئے "مہدی موعود" ہونے کا دعویٰ کیا تھا کہ وہ مہدی ہوا ہے۔ لہذا وہ اپنے زعم میں کہیں گے کہ وہ مہدی تو گذر چکا ہے اور قوت ہو چکا اور اس کی قبر کا نشان بتائیں گے کہ وہ فرہ میں ہے۔ (لیکن) وہ صحیح احادیث جو بخیر شہرت بلکہ معنی کے لحاظ سے حدیث اتر کو پہنچ چکی ہیں وہ اس گروہ (مہدویہ) کی تکذیب کرتی ہیں، کیونکہ آں سرور علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے جو علامتیں "مہدی" کی بیان فرمائی ہیں وہ علامات ان لوگوں کے معتقد شخص کے حق میں مفقود ہیں۔ احادیث نبوی علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام میں آیا ہے کہ مہدی موعود جب ظاہر ہوں گے تو ان کے سر پر بادل کا ایک ٹکڑا ہوگا اور اس ابر میں ایک فرشتہ ہوگا جو پکار کر کہے گا کہ یہ شخص مہدی ہے اس کی متابعت کرو۔ اور آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چار آدمی پوری روئے زمین کے مالک (بادشاہ) ہوتے ہیں ان میں دو مومن اور دو کافر ہیں: ذو القرنین اور سلیمان مومنوں میں سے تھے اور نمرود اور بخت نصر کافروں میں سے، اور اس زمین کا پانچواں مالک میری اہل بیت میں سے ہوگا یعنی مہدی۔ اور آپ علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ خدائے تعالیٰ میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کو پیدا نہ فرمائے کہ اس کا نام میرے نام پر اور اس کے والد کا نام بھی میرے والد کے نام کے موافق ہوگا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی تھی۔ اور حدیث میں دار رہے کہ اصحاب کہف حضرت مہدی کے معادین میں سے ہوں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام ان (مہدی) کے زمانے میں نزول فرمائیں گے اور وہ (مہدی) وصال کے قبل کرنے میں حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت کریں گے۔ اور ان (مہدی) کی سلطنت کے ظہور کے زمانے میں زمانے کی عادت کے برخلاف اور نجومیوں کے حساب کے بھی برخلاف چودہ ماہ رمضان کو سورج گہن ہوگا اور اسی ماہ کے شروع میں چاند گہن ہوگا۔ اب انصاف سے دیکھنا چاہئے کہ یہ علامات جو بیان کی گئی ہیں اس قوت شدہ شخص

۱۷۰ اس کو ابو نعیم نے ابن عمر سے روایت کیا۔ کہ ابن جوزی نے اپنی تاریخ میں حضرت ابن عباس سے مذکور روایت کیا (تشیبہ) ۱۷۱ ترمذی نے حضرت ابن مسعود سے روایت کیا کہ حافظ ابن حجر اور سیوطی نے حاشیہ میں ابن ماجہ نقل کیا (تشیبہ)

اصل دوم نماز ہے۔ اصل سوئم زکوٰۃ کا ادا کرنا ہے۔ اصل چارم ماہ رمضان کے روزے۔ اصل پنجم حج بیت اللہ ہے۔ اصل اول کا تعلق ایمان سے ہے، باقی چار اصول اعمال سے متعلق ہیں (ان میں) تمام عبادتوں کی جامع ترین اور افضل ترین (عبادت) نماز ہے۔ قیامت دن حساب کی ابتدا نماز ہی سے ہوگی اگر نماز درست ہوئی تو باقی دوسری باتوں کا محاسب بھی اللہ تعالیٰ سبحانہ کی غیبت سے آسانی سے گزر جائے گا۔ چنانچہ ہو سکے شرعی ممنوعات سے بچنا چاہئے مولیٰ اہل تشاہد کی نامرضیات کو زہر قاتل سمجھنا چاہئے، اپنے قصوروں کے مواد کو ہر وقت نظر میں رکھنا چاہئے، اپنی کارگذاریوں پر نادم اور شرمندہ ہونا چاہئے اور تلامنت و حسرت اٹھانی چاہئے کہ بندگی کا طریقہ یہی ہے۔ **وَاللّٰهُ بِسَخَّانَةِ الْمُؤْتِقِ** (اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

اور جو شخص بے نیاحتہ گھلم گھلا مولیٰ اہل تشاہد کی ناپسندیدہ امور کا مرتکب ہو اور اپنے اس فعل سے ذرا بھی شرمساری اور خجالت محسوس نہ کرے وہ شخص متکبر اور سرکش ہے، اس کا یہ اصرار سرکشی ممکن ہے کہ اس کے سر کو اسلام کے حلقہ سے باہر نکال دے اور وہ دشمنوں کے دائرہ میں داخل ہو جائے: **رَبَّنَا اِنْتَا مَنِ الَّذِيْ لَدُنْكَ رَحْمَةٌ وَرَحْمَةٌ وَبِهِيْ لَتَاْمِنَ اٰمِرُنَا رَسُوْلًا اَدْكُفَّ اٰيٰتِ** (اے ہمارے پروردگار ہم کو اپنی جناب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر)۔

وہ دولت کہ جس کے ساتھ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آپ کو ممتاز فرمایا ہے دوسرے لوگ اس سے بے خبر ہیں بلکہ ہو سکتے ہیں کہ آپ بھی اس کو محسوس نہ کریں، وہ یہ ہے کہ بادشاہ وقت (جہانگیر) جو سات پشت سے مسلمان چلا آ رہا ہے اور اہل سنت سے ہے اور حنفی مذہب پر ہے۔ اگرچہ چند سال ہوتے ہیں کہ اس زمانے میں جو کہ قرب قیامت کا وقت ہے اور عہد نبوت سے بعد کا زمانہ ہے، بعض طالب علموں نے اپنی طمع کی کم سختی اور ذلت سے جو کہ ان کے باطن کی جنائت کا نتیجہ ہے، شاہی اہلکار کے ساتھ تقرب حاصل کر کے خوشامدی بن گئے ہیں اور دینِ متین میں تشکیکات و اعتراضات کتے ہیں اور شبہات پیدا کر کے سادہ لوح لوگوں کو دین سے ہٹا رہے ہیں۔ ایسا عظیم الشان بادشاہ جو آپ کی باتوں کو اچھی طرح سن لیتا اور قبول بھی کر لیتا ہے تو یہ کتنی بڑی دولت ہے کہ آپ تصریح یا اشارہ کے طور پر کلمہ حق یعنی اسلام کی باتوں کو اہل سنت و جماعت شکر اللہ تعالیٰ سبحانہ کے اعتقادات کے موافق اس کے گوش گزار کریں، اور جہاں تک ممکن ہو سکے اہل حق کی باتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں بلکہ ہمیشہ

بادشاہ وقت کے معنی تصاع

زور جستجو میں رہیں کہ کوئی ایسا موقع مل جائے جس میں مذہب و ملت کی نسبت گفتگو کی جائے
 تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار ہو سکے اور کفر و کافر کے بطلان و برائی کا بیان بھی کیا جائے۔ کفر
 خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عقلمند اس کو پسند نہیں کرتا، بے خوف اس کے بطلان کو طاہر کرنا
 چاہئے اور بلا توقف ان کے معبودانِ باطل کی نفی کرنی چاہئے۔ معبودِ برحق جل شانہ بلا تردد
 اور بے شبہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ کیا کسی نے سنا ہے کہ ان کے معبودانِ باطل نے
 ایک مچھر بھی پیدا کیا ہو، اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں (تو بھی مچھر کو پیدا نہ کر سکیں گے)۔ اور اگر مچھر ان کو
 ڈنگ مارے اور تکلیف پہنچائے تو بھی وہ اپنے آپ کو سچا نہیں سکتے پھر دوسروں کو کس طرح سچا
 سکتے ہیں۔ گویا کافر اس امر کی بُرائی کو ملاحظہ کر کے کہتے ہیں کہ یہ معبودِ برحق جل و علا سے ہماری سزا
 کرنے والے ہوں گے اور ہم کو خدا کے جل شانہ کے نزدیک کر دیں گے (یعنی مقرب بنا دیں گے)۔
 یہ لوگ بے عقل ہیں انہوں نے کیسے جان لیا کہ ان جنادات کو شفاعت کی مجال ہوگی اور
 حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ اپنے شریکوں کی شفاعت کو جو درحقیقت اس کے دشمن ہیں اپنے دشمنوں کے
 پوچھنے والوں کے حق میں قبول کر لے گا۔ ان کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے کہ باغی لوگ بادشاہ کے خلاف
 بغاوت کریں اور چند بے وقوف اس خیال فاسد سے ان باغیوں کی مدد کریں کہ یہ باغی ضرورت کے
 وقت بادشاہ کی جناب میں ہماری سفارش کریں گے، اور ان باغیوں کے ذریعے ہم بادشاہ کا تقرب
 حاصل کر لیں گے۔ یہ عجیب بے وقوف ہیں کہ باغیوں کی خدمت کریں اور باغیوں کی سفارش سے
 بادشاہ سے معافی مانگیں اور اس کا تقرب حاصل کریں۔ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں
 نہیں کرتے اور باغیوں کو شکست کیوں نہیں دیتے تاکہ اہلِ قرب و اہلِ حق سے جو جائیں اور امن و امان
 میں آجائیں۔ یہ بے عقل لوگ ایک پتھر کو لے کر خود اپنے ہاتھ سے تراشے ہیں پھر
 ساہا سال اس کی پرستش کرتے ہیں اور پھر اسی سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں۔ مختصر یہ کہ کافروں کا
 دین ظاہرِ البطلان (کھلم کھلا باطل) ہے اور مسلمانوں میں سے جو کوئی راہِ حق اور طریقِ مستقیم
 سے دور ہو گیا وہ اہلِ ہوا کا بندہ اور بدعتی ہے۔ اور طریقِ مستقیم صرف وہ ہے جو آلِ حضرت
 علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ علیہم وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے خلفائے راشدین

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اپنی کتاب غنیہ میں فرماتے ہیں: "بدعتی لوگوں کے گروہ جن کے اصول یہ نو گروہ ہیں: خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجئیہ، مشبہ، جہمیہ، ضرارہ، تجاہد اور کلامیہ، یہ لوگ آل سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں نہیں تھے اور حضرت ابوبکر و عمر، عثمان اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین کی خلافت کے زمانے میں بھی نہیں تھے۔ ان گروہوں کا اختلاف اور فرقہ بندی صحابہ تابعین اور فقہائے بعدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جمعین کی وفات سے ساہا سال بعد واقع ہوئی ہے۔ اور آل سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا۔ لہذا تم میری سنت کو اور میرے خلفاء راشدین کی سنت کو (اپنے اپنے لازم جانو اور اس کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑو اور (دین میں) نئی نئی باتوں سے اپنے آپ کو دور رکھو، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جو کچھ میرے بعد (دین میں) پیدا ہوگا وہ مردود ہے۔"

لہذا وہ مذہب جو آنحضرت علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے زمانے اور خلفاء راشدین کے زمانے کے بعد پیدا ہو وہ اعتبار کے مقام سے ساقط ہے اور اعتبار کے لائق نہیں ہے۔ اس وقت کی شکر بجالانا چاہئے کہ (حق سبحانہ و تعالیٰ نے) محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو فرقہ ناجیہ میں پیدا فرمایا جو اہل سنت و جماعت ہیں۔ اور ہم کو اہل ہوا و بدعت والے فرقہ میں سے نہیں بنایا اور ان کے فاسد اعتقادات میں مبتلا نہیں کیا، اور اس جماعت (معتزلہ) میں سے بھی نہیں بنایا جو بندہ کو مولیٰ اجل شانہ کی خاص صفات میں شریک ٹھہراتے ہیں اور بندہ کو اپنے افعال کا خالق سمجھتے ہیں اور رویت اخروی کے منکر ہیں جو دینی و اخروی دولت کا سرمایہ ہے۔ اور وہ واجب تعالیٰ سے وجود صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں۔ نیز ان دو گروہوں (خوارج و روافض) میں سے بھی نہیں بنایا جو اصحاب کرام کے ساتھ خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو ملا دیتے ہیں اور لاکا بردین کے ساتھ سو وطن رکھتے ہیں اور ان کو (آپس میں) ایک دوسرے کا دشمن تصور کرتے ہیں اور ان پر خفی بغض و کینہ کی تہمت لگاتے ہیں (حالانکہ) حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان بزرگوں (اصحاب کرام) کے حق میں رحماء بیتھمد فتح آمین (۲۹) (آپس میں بہت رحم دل ہیں) فرمانا ہے (یعنی) یہ دونوں گروہ حق جل و علا کے کلام کی تکذیب کرتے ہیں اور ان بزرگوں کے درمیان عناد و بغض اور کینہ ثابت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے اور صراط مستقیم دکھائے۔ اور (حق تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے) اس گروہ میں سے بھی نہیں بنایا جو حق سبحانہ

۱۔ وہاں سے مراد یہ ہیں: سعید بن المسیب، عروہ بن الزبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق، ابوبکر بن عبدالرحمن، خارجی بن زید، عساف بن عبداللہ بن عمر، سلیمان بن یسار۔ ۲۔ وہ انبیاء و مسلم۔

کے لئے جہت و مکان کا اثبات کرتے ہیں اور اس کو جسم و جسمانی خیال کرتے ہیں اور واجبِ قدیم حلِ سلطاً میں حدوث و امکان کی علامات ثابت کرتے ہیں۔

اب ہم پھر اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ بادشاہ کی حیثیت روح کی مانند ہے اور باقی تمام انسان جسم کی طرح ہیں، اگر روح درست ہے تو بدن بھی درست ہے، اگر روح فاسد ہے تو سارا بدن بھی فاسد ہو جاتا ہے۔ پس بادشاہ کی اصلاح میں کوشش کرنا گویا تمام بنی آدم کی اصلاح میں کوشش کرنا ہے۔ اور بادشاہ کی اصلاح اس امر میں ہے کہ بلحاظ وقت جس طرح ہو سکے کلمہ اسلام کا اظہار کیا جائے اور کلمہ اسلام کے بعد اہل سنت و جماعت کے معتقدات جب بھی موقع ملے بادشاہ کے گوش گزار کرنا ضروری ہیں نیز مخالف مذہب کی تردید بھی کرنی چاہئے۔ اگر یہ دولت میسر ہو جائے تو گویا پیارِ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی وراثت عظمیٰ ہاتھ آگئی، اور آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے، اس کی قدر کرنی چاہئے، زیادہ کیا مال لیا جائے اتنا ہی کافی ہے۔ وَاللّٰهُ سُبْحٰنَهُ الْمَوْفِقُ (اور اللہ سبحانہ ہی توفیق دینے والا ہے)۔

اصل بات کی طرف توجہ

ہماری دیگر مطبوعات

۱۔ ماہِ شبعان اور شبِ برات

۲۔ ماہِ حج کی برکات

۳۔ استغفار اور دعائے سلامتی

۴۔ اطاعت و اتباع

۵۔ قربانی کے فضائل و مسائل

زیر طبع

۱۔ اذکار معصومیہ از خواجہ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ از: مولانا نور الحسن تنویر صاحب

۲۔ ہدایۃ الطالبین (فارسی۔ اردو)

از: شاہ ابو سعید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ